www.cpsglobal.org

الرسالہ

Al-Risala

May 2007 • No. 366

دوسروں کی شکایت صرف اپنی نااہلی کا اعلان ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہ نامہ

الرسالہ

Al-Risala

جاری کردہ 1976

اردو اور انگریزی میں شائع ہونے والا

اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی

مولانا وحیدالدّین خاں

صدر اسلامی مرکز

Al-Risala
1, Nizamuddin West Market
New Delhi-110 013
Tel. 24356666, 24355454
Fax: 24357333
website: www.alrisala.org
email: skhan@vsnl.com

Subscription Rates
Single copy Rs. 10,
One year Rs. 100,
Two years Rs. 200,
Three years Rs. 300,
Five years Rs. 480
Abroad: One year $10 (Air Mail)

Printed and published by
Saniyasnain Khan on behalf of
Al-Markazul Islami, New Delhi.

Printed at Nice Printing Press,
7/10, Parwana Road,
Khureji Khas, Delhi-110 051

مئی 2007

فہرست

روحانی شخصیت کی تعمیر 2
حلال اور حرام کا تصور 10
ایک تاریخی جائزہ 13
بغیر ہدایت 17
صبر کا وقت عبادت کا وقت ہے 24
دعا کی طاقت 26
اسلام کی اشاعت 27
ایک پیغام مشن کے ساتھیوں کے نام 28
رسپانس فارم 42
خبر نامہ اسلامی مرکز — 179 43

روحانی شخصیت کی تعمیر

قرآن اور حدیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے نزدیک فلاح یاب انسانوں کی جو درجہ بندی ہے، اُس میں بنیادی طور پر تین گروہ شامل ہیں — رسول، اصحابِ رسول، اخوانِ رسول۔ رسول سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے وحیِ خداوندی کی سطح پر سچائی کو جانا۔ اصحابِ رسول سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت (companionship) سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ اخوانِ رسول سے مراد وہ لوگ ہیں جو بعد کے زمانے میں ارتقا یافتہ شعور کے ذریعے، رسول اور اصحابِ رسول کے زمانے کو اس طرح دریافت کریں کہ وہ دوبارہ عملاً پیغمبر کی زندہ صحبت (living companionship) کا تجربہ کرسکیں۔

رسول، عام انسانوں میں سے کوئی منتخب انسان ہوتا ہے۔ اُس پر خدا کی طرف سے فرشتے کے ذریعے سچائی کا علم اترتا ہے۔ اسلامی تصور کے مطابق، آدم پہلے پیغمبر تھے۔ آدم سے لے کر مسیح ابنِ مریم تک، ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے۔ اِن پیغمبروں نے یکساں درجے میں خدائی سچائی کا اعلان کیا۔ لیکن انھیں اپنے زمانے میں ساتھیوں کی کوئی بڑی جماعت نہ مل سکی۔ چناں چہ یہ پیغمبر مذہبی عقیدے کا حصہ تو بنے، لیکن وہ مذہبی تاریخ کا حصہ نہ بن سکے۔

سلسلۂ نبوت کے آخری فرد محمد بن عبد اللہ تھے۔ وہ 570ء میں عرب میں پیدا ہوئے۔ 610ء میں ان کو پیغمبری ملی۔ 632ء میں ان کی وفات ہوئی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو استثنائی طور پر یہ موقع ملا کہ آپ کو خود اپنے زمانے میں طاقت ور ساتھیوں کی ایک ٹیم حاصل ہوگئی۔ یہ لوگ تقریباً ڈیڑھ لاکھ تھے۔ اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ ممکن ہوا کہ وہ خدائی مذہب کو تاریخِ بشری کا ایک مستند حصہ بنا دیں۔ اور اس طرح بعد کی نسلوں کے لیے ایک ابدی نمونے کا مقام حاصل کرلیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو اگر نفسیات کی زبان میں بیان کریں تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ آپ ایک اسپریچول جینیس (spiritual genius) تھے۔ رسول کا کام دراصل یہی ہوتا ہے کہ وہ مادّی انسان

کو روحانی انسان بنائے۔ رسول اس لیے آتا ہے تاکہ وہ انسان کو خدا کے کریشن پلان سے آگاہ کرے۔ خدا کا کریشن پلان یہی ہے کہ انسان اپنا تزکیہ کرکے اپنے آپ کو اسپریچول انسان بنائے۔ اور اِس طرح اپنے آپ کو جنت میں داخلے کا مستحق ثابت کرے۔

اسپریچولٹی کے لیے قرآنی لفظ ربّانیت (آلِ عمران: 79) ہے۔ حقیقی اسپریچول انسان وہ ہے جو ربّانی انسان ہو۔ اسپریچولیٹی کوئی ایسی چیز نہیں جو مراقبہ (meditation) اور یوگا ورزش کے ذریعے حاصل کی جائے۔ اِس قسم کی تمام چیزیں اسپریچولیٹی کا کم تر فارم (reduced form) ہیں۔ اسپریچولیٹی کا واحد ذریعہ رزقِ خداوندی (آل عمران: 37) ہے۔ یہ دراصل روحانی صحت کے اعتبار سے اپنے آپ کو اعلیٰ درجے کا انسان بنانا ہے۔ یہ ایک عظیم ذہنی عمل ہے جو کسی انسان کے اندر آفاقی عمل کے دوران انجام پاتا ہے۔

اسپریچول انسان بننا، امکانی طور پر ہر عورت اور مرد کے لیے ممکن ہے۔ لیکن اسپریچول انسان بننے کے لیے بے پناہ قربانی دینی ہوتی ہے۔ ہر شخص یہ قربانی نہیں دے سکتا۔ اس لیے ہر شخص حقیقی معنوں میں اسپریچول انسان بھی نہیں بن سکتا۔ اس لیے خدا نے اِس مقصد کے لیے یہ نظام بنایا کہ وہ بعض افراد کو اپنی خصوصی نصرت کے ذریعے ایسے حالات فراہم کرتا ہے کہ وہ اسپریچول جائنٹ (spiritual giant) بن سکے۔ عام انسانوں کا کام یہ ہے کہ وہ اِس اسپریچول جائنٹ کو پہچانیں اور اپنے آپ کو اُس کی غیر مشروط رہنمائی میں دے کر اعلی اسپریچولیٹی کا درجہ حاصل کریں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعتبار سے گویا اِسی قسم کے ایک اسپریچول جائنٹ تھے۔ آپ کے ہم عصر لوگوں میں ایک لاکھ سے زیادہ ایسے افراد نکلے جنھوں نے اِس غیر معمولی معرفت کا ثبوت دیا کہ انھوں نے پیغمبر کو خالص جوہر (merit) کی سطح پر پہچانا۔ انھوں نے پیغمبر کو اُس کے ابتدائی دور میں اُس وقت دریافت کیا جب کہ ابھی وہ پُرعظمت تاریخ کا مینار نہیں بنا تھا۔ یہ بلاشبہہ کسی انسان کے لیے مشکل ترین کام ہے۔ یہ حال کے اندر مستقبل کو دیکھنا ہے۔ پیغمبر کے ہم عصر اہلِ ایمان نے اِس مشکل ترین صفت کا ثبوت دیا، اس لیے وہ اصحابِ رسول کے ابدی مقام پر سرفراز کیے گیے۔

یہ اصحابِ رسول کس طرح اصحابِ رسول بنے۔ اِس پراسس کا نقطۂ آغاز یہ تھا کہ انھوں نے نظریاتی سطح پر خدائی سچائی کو دریافت کیا جس کو ایمان کہا جاتا ہے۔ ایمان کے بعد انھوں نے اپنی عملی زندگی میں اُس نقشے کو اختیار کرلیا جس کی تعلیم انھیں خدا کے رسول کے ذریعے ملی تھی۔ ایسا کرکے وہ گویا اصحابِ رسول کے گروہ میں شامل ہوگیے۔

لیکن اعلیٰ اسپریچول شخصیت کی تعمیر کے لیے صرف اتنا کافی نہیں۔ اعلی اسپریچول شخصیت کی تعمیر اُس عمل کے ذریعے ہوتی ہے جس کو قرآن میں توسُّم (الحجر: 75) کہا گیا ہے، یعنی مادّی حقیقتوں سے ربّانی خوراک حاصل کرنا، روزمرّہ کے مادی واقعات کو روحانی تجربے میں تبدیل کرنا:

Spirituality is the ability to convert daily events into spiritual experiences.

جن معاصر اہلِ ایمان کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ملی، وہ تاریخ کی اعلیٰ ترین اسپریچول شخصیتیں تھیں۔ یہ شخصیتیں کسی پُراسرار نسبت کے ذریعے نہیں بنیں۔ وہ معلوم فطری قانون کے ذریعے بنیں۔ وہ فطری قانون خاص طور پر یہ تھا کہ پیغمبر نے ایک اسپریچول جائنٹ کی حیثیت سے تزکیہ کے عمل میں اُن کی مسلسل رہنمائی کی۔ یہ رہنمائی خاص طور پر توسم کے ذریعے ہوئی۔ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ روزمرزہ کے واقعات اور مشاہدات میں ایسے پہلوؤں کی نشان دہی فرماتے تھے کہ یہ واقعات اور مشاہدات اہلِ ایمان کے لیے روحانی خوراک بن جائیں۔ خدا پر زندہ عقیدے کے بعد یہی توسم اصحابِ رسول کی روحانی تربیت کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔

قرآن میں اِس عمل کو ذکرِ کثیر (الاحزاب: 41) کہا گیا ہے۔ ذکر کثیر کا لفظی مفہوم ہے— اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصحابِ رسول ہر وقت اللہ، اللہ، اللہ، کہتے رہتے تھے۔ اِس قسم کا مفہوم بلاشبہہ ذکرِ کثیر کی تصغیر ہے۔ اِس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ روزمرہ کے واقعات اور مشاہدات پر غور کرکے اُن کو روحانی تجربے میں کنورٹ کرنا۔ یہ کنورژن مومن کا رزق ہے۔ اور اِس رزق کو قرآن میں اِس طرح بیان کیا گیا ہے: ورزق ربّک خیر وأبقیٰ (طٰہٰ: 131)

اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے معاصر اہلِ ایمان کی روحانی تربیت کے لیے آپ کا طریقہ کیا تھا۔ وہ طریقہ توسم پر مبنی ہوتا تھا، یعنی آس پاس کے واقعات اور مشاہدات کو تربیتی غذا میں کنورٹ کرنا۔ اور اِس طرح لوگوں کو اِس قابل بنانا کہ وہ توسم کے ذریعے اپنی مسلسل روحانی تربیت کرتے رہیں۔

اِس تربیتی اسلوب کو سمجھنے کے لیے قرآن کی ایک آیت کا مطالعہ کیجیے: **فإذا قضيت الصلوة فانتشروا في الأرض وابتغوا من فضل الله واذكروا الله كثيراً لعلكم تفلحون** (**الجمعه**: 10) یعنی اور جب نماز ختم ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کا رزق تلاش کرو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو، تا کہ تم فلاح پاؤ۔ اِس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زمین میں پھیل کر ہر جگہ خفی یا جلی انداز میں اللہ، اللہ، کرتے رہو، بلکہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ تم زمین میں پھیل جاؤ اور اس طرح غور وفکر کے ساتھ رہو کہ فطرت کے مشاہدات اور زندگی کے واقعات تمھارے لیے ربّانی تجربہ یا قرآنی الفاظ میں رزقِ رب بنتے رہیں — احادیث کا بیش تر ذخیرہ گویا اِسی قسم کے توسم کی مثال ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، اسپریچول تربیت کے لیے ایک اسپریچول جائنٹ کی صحبت ضروری ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پیغمبر کے معاصر اہلِ ایمان کو یہ صحبت تو فطری طور پر مل گئی تھی۔ اب بعد کے لوگوں کے لیے اِس تربیتی کورس کے حصول کا ذریعہ کیا ہوگا۔ یہ بلاشبہہ ایک اہم سوال ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا یکساں طور پر سارے انسانوں کا رب ہے۔ وہ ایک زمانے کے انسان اور دوسرے زمانے کے انسان کے درمیان یہ فرق نہیں کرسکتا کہ وہ ایک زمانے کے لوگوں کو اعلیٰ روحانی تربیت کے مواقع دے، لیکن دوسرے زمانے کے لوگوں کو اِس سے محروم کردے۔

بلکہ اس کے برعکس، حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعد کے زمانے کے لوگوں کے لیے خدا ایسے اسباب پیدا کرے گا کہ اگر وہ چاہیں تو اِس معاملے میں اور بھی زیادہ بڑا درجہ حاصل کرسکتے ہیں۔ یہ بات اُس حدیث سے ثابت ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: **عبادٌ ليسوا بأنبياء ولا شهداء يغبطهم النبيون والشهداء لمقعدهم وقربهم من الله يوم القيامة** (مسند احمد، جلد 5، صفحہ 341) یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے کچھ بندے ہیں جو نہ تو پیغمبر ہیں اور نہ

شہید ہیں، اُن کے اوپر پیغمبر اور شہید بھی رشک کریں گے، اُن کے اُس درجے اور قربت کی وجہ سے جو انھیں خدا کے یہاں حاصل ہوگا۔ اِس حدیث سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعد کے زمانے کے لوگوں کے لیے بھی اعلیٰ درجۂ روحانیت کے مواقع حاصل ہیں، جس طرح پہلے زمانے کے لوگوں کو حاصل تھے۔

جیسا کہ معلوم ہے، احادیث رسول کا تقریباً پورا ذخیرہ کتابوں کی صورت میں آج بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ یہ احادیثِ رسول، یا اقوالِ رسول وہی ہیں جن کو آپ کے معاصر اہلِ ایمان نے سُنا اور اُن سے ان کو وہ اعلیٰ روحانی غذا ملی جس نے انھیں اصحابِ رسول کا درجہ دے دیا۔ اب جو چیز غیر موجود ہے، وہ کلام نہیں ہے بلکہ صرف متکلم ہے۔ اس کمی کی تلافی خدا کی اِس دنیا میں ناممکن نہیں بلکہ وہ پوری طرح ممکن ہے، بشرطیکہ اِس معاملے کو کامل سنجیدگی کے ساتھ پوری طرح سمجھا جائے۔

ایک محدّث نے بجا طور پر کہا ہے کہ: **مَنْ کان فی بیته مجموعة من الأحادیث، فکأنما فی بیته النبیّ یتکلم** (جس آدمی کے گھر میں احادیث کا ایک مجموعہ ہو، اُس کے گھر میں گویا کہ خود پیغمبر کلام کرتا ہوا موجود ہے) یہ بات کسی استعارے کے بغیر درست ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ احیاءِ شخصیت بھی اُسی طرح ممکن ہے جس طرح احیاءِ سنت کو ممکن سمجھا جاتا ہے۔ اِس احیاءِ شخصیت کے لیے تین ضروری شرطیں ہیں:

1۔ اِس کی پہلی شرط سنجیدگی ہے۔ لوگوں کو اِس معاملے میں اتنا زیادہ سنجیدہ ہونا چاہیے کہ وہ سچے متلاشی (seeker) بن جائیں۔ وہ ہر قسم کے تعصّبات سے اوپر اٹھ کر چیزوں کو لے سکیں۔ ہمارے اور پیغمبر کے دوران جو دوری ہے، وہ حقیقتاً فاصلے کی دوری نہیں ہے بلکہ مزاج کی دوری ہے۔ اگر آج کے لوگوں کے اندر حقیقی معنوں میں رسول اور اصحاب رسول والا مزاج پیدا ہوجائے تو یہ دوری عملاً غائب ہوجائے گی۔ مزاجی مناسبت ماضی اور حال کے درمیان کا فاصلہ ختم کردے گی۔ آج کا انسان بھی اُسی طرح خدا کے رسول سے جُڑ جائے گا جس طرح معاصر اہلِ ایمان اُن سے جُڑے ہوئے تھے۔

نفسیاتی طور پر یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ قربت کا تعلق حقیقتاً بعدِ مکانی یا قربِ مکانی سے نہیں ہے بلکہ خود اپنے مزاج سے ہے۔ پیغمبر اسلام کے زمانے میں جو لوگ تھے اُن میں سے بھی صرف

انھیں لوگوں کو آپ کی حقیقی قربت ملی جو مزاجی اعتبار سے آپ سے قریب تھے۔ جو لوگ اپنے مزاجی اعتبار سے دور تھے، انھیں پیغمبر کا ہم عصر ہونے کے باوجود قربت کی سعادت حاصل نہیں ہوئی۔

2- اِس سلسلے میں دوسری چیز یہ ہے کہ خدا کے منصوبے کو سمجھا جائے۔ خدا اپنے منصوبے کے تحت، ہر دور میں ایک اسپریچول جائنٹ پیدا کرنا ہے۔ پچھلے زمانوں میں اسپریچول جائنٹ کا یہ درجہ پیغمبروں کو حاصل ہوتا تھا۔ بعد کے زمانے میں خدا ایسا مجدد پیدا کرتا ہے جو اپنی معرفت کے اعتبار سے اسپریچول جائنٹ کا مقام رکھتا ہے۔ ایسا انسان دوسروں کے لیے گویا پیغمبر کی غیر موجودگی کی تلافی ہوتا ہے۔ البتہ یہ تلافی صرف اُن لوگوں کے حصے میں آئے گی جو اُس کو پہچانیں اور پہچان کر اس سے استفادہ کریں۔

3- بعد کے زمانے میں اِس مقصد کے لیے جو کام کرنا ہے، وہ خاص طور پر یہ ہے کہ اقوالِ رسول کا مطالعہ دوبارہ صحبتِ رسول کے حوالے سے کیا جائے۔ یہ گویا پیغمبر کی تاریخ کوری پراسس (re-process) کرنا ہے۔ یہ گویا کہ صحبتِ رسول کا احیا کرنا ہے۔ یہ گویا کہ دوبارہ اپنے آپ کو صحبتِ رسول میں لے جانا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اِس کو صحبتِ رسول کی توسیع کہہ سکتے ہیں۔ اِس سے کم تر درجے کا کوئی کام اعلیٰ اسپریچول شخصیت پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

اِس معاملے میں یہ کرنا ہوگا کہ حدیث کے مطالعے کے سلسلے میں بھی وہی طریقہ اختیار کریں جو قرآن کے مطالعے کے سلسلے میں کیا جاتا ہے۔ قرآن کے مطالعے کا طریقہ، عام طور پر، یہ ہے کہ قرآن کی آیتوں کو اُس کے شانِ نزول یا اسبابِ نزول کی روشنی میں سمجھا جاتا ہے۔ اِسی طرح احادیثِ رسول کا بھی شانِ نزول ہے۔ یہ شانِ نزول کبھی قولِ رسول کے ساتھ اشارۃً یا تفصیلاً موجود رہتا ہے اور کبھی موجود نہیں رہتا۔ ہمیں یہ کرنا ہوگا کہ گہرے مطالعے کے ذریعے حدیثوں کے ساتھ اُس کے شانِ نزول کو شامل کریں۔ اِس طرح ہم اُس صورتِ حال کو جان لیں گے جس صورتِ حال میں پیغمبر اسلام نے کوئی بات کہی۔ حدیثوں کا اِس طرح مطالعہ گویا کہ حدیثِ رسول کے ساتھ صحبتِ رسول کا اضافہ کرنا ہے۔ یہ ایک اعتبار سے اعادۂ تاریخ ہے۔ حدیث کے مطالعے کا یہ اسلوب ایک

انقلابی اسلوب ہے جو مطالعہ حدیث کو صحبتِ رسول کے ہم معنیٰ بنا دینے والا ہے۔ اِس معاملے کو چند مثالوں کے ذریعے سمجھیں۔

پیغمبر اسلام کے صحابی ابوذر غفاری کہتے ہیں کہ: **ولقد ترکنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ومایتقلّب طائر جناحیه فی السماء إلا ذکر لنا منه علماً** (مسند احمد، جلد 5، صفحہ 162) یعنی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس حال میں چھوڑا کہ ایک چڑیا بھی اگر آسمان میں اپنا پَر پھڑ پھڑاتی تو آپ اُس سے ہم کو ایک علم کی یاد دلاتے تھے۔

اِس مثال میں قولِ رسول کے ساتھ اِس کا پس منظر بھی موجود ہے۔ اِس پر غور کرکے ہم بآسانی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ رسول اللہ کے زمانے میں اِس طرح کے واقعات پیش آئے کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ چل رہے تھے۔ اِس دوران آپ نے دیکھا کہ ایک چڑیا فضا میں اڑتی ہوئی جارہی ہے۔ آپ نے اپنے اصحاب کو فطرت کے اِس ظاہرے کی طرف متوجہ فرمایا۔ غالباً آپ نے قرآن کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا ہوگا کہ اِس کو دیکھو اور قرآن کی اِس آیت پر غور کرو: **أولم یروا إلی الطیر فوقهم صٰفّٰتٍ ویقبضن، ما یمسکهنّ إلا الرحمن، إنه بکل شیءٍ بصیر** (الملک: 19) یعنی کیا وہ پرندوں کو اپنے اوپر نہیں دیکھتے، پَر پھیلائے ہوئے، اور وہ ان کو سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ رحمان کے سوا کوئی نہیں جو اُن کو تھامے ہوئے ہو۔ بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔

یہ کوئی سادہ بات نہیں۔ چڑیا فطرت کا ایک انوکھا ظاہرہ ہے۔ اُس پر غور کرتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے کہ چڑیاں کی ساخت کو مخصوص طور پر اِس طرح بنایا گیا ہے کہ وہ فضا میں اُڑ سکے۔ اِسی چڑیا کی نقل کرکے موجودہ زمانے میں ہوائی جہاز بنائے گیے ہیں۔ مچھلی کا جسم پانی کے اعتبار سے بنایا گیا ہے اور چڑیا کی ساخت فضا کے اعتبار سے اور چوپائے کی ساخت سطحِ زمین کے اعتبار سے، وغیرہ۔ یہ مختلف ڈزائین اس بات کا ثبوت ہے کہ کائنات اتفاقی طور پر وجود میں نہیں آئی بلکہ وہ ایک ذہین منصوبہ بندی (intelligent planning) کا نتیجہ ہے۔

کچھ اور حدیثیں ہیں جن میں قول تو موجود ہوتا ہے لیکن اس کا پس منظر موجود نہیں ہوتا۔ اِس قسم

کے اقوال یہ بتاتے ہیں کہ آپ نے ایک منظر کو دیکھا اور پھر آپ نے اُس کو سبق میں کنورٹ کرکے ایک نصیحت کی بات کہی۔ اب ہمارا کام یہ ہے کہ اس قول کو ری کنورٹ کرکے دوبارہ ابتدائی مشاہدے سے جوڑ کر دیکھیں۔ جب ہم ایسا کریں گے تو گویا ہم نے اُس لمحے کو زندہ کیا جب کہ پیغمبر بنفسہٖ موجود تھے، اور اپنے ساتھیوں کو بتا رہے تھے کہ کس طرح وہ فطرت کے مشاہدات کو روحانی تجربات میں کنورٹ کرکے اپنے تزکیے کا سامان کرسکتے ہیں۔

مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ: مثل المؤمن کمثل خامة الزرع۔ یہاں ہم کامن سنس سے یہ اضافہ کرسکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ اصحاب کے ساتھ چل رہے تھے کہ راستے میں ایک نرم پودا دکھائی دیا۔ وہ ہوا کے جھونکے کے مقابلے میں اکڑتا نہیں تھا بلکہ جھک جاتا تھا۔ اس کو دیکھ کر آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ مومن بھی اسی طرح ایک نرم مزاج والا انسان ہوتا ہے۔ اُس کے اندر ٹکراؤ کا مزاج نہیں ہوتا بلکہ ایڈجسٹمنٹ کا مزاج ہوتا ہے۔

اِس مزاج کا فائدہ مومن کو یہ ملتا ہے کہ غیر متعلق چیزوں میں الجھ کر وہ اپنے اندر ذہنی اور روحانی ارتقا کے عمل کو بلا روک جاری رکھتا ہے۔ اس کے وقت اور اس کی طاقت کا کوئی بھی لمحہ کسی غیر متعلق کام میں ضائع نہیں ہوتا — اِس طرح اقوالِ رسول میں اپنے کامن سنس سے اُس کے ماحول کا تصور کرکے ہم اپنے آپ کو گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں پہنچا سکتے ہیں۔ ایسا کرنے سے یہ ہوگا کہ جو چیز اصحابِ رسول کو واقعاتی طور پر حاصل تھی، وہ ہم کو تصوراتی طور پر حاصل ہو جائے گی۔ اِس پہلو سے یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ: مَنْ کان فی بیته مجموعة من الاحادیث کأنما هو فی صحبة النبی صلی الله علیه وسلم (جس کے گھر میں احادیث رسول کا کوئی مجموعہ موجود ہو، وہ گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں جی رہا ہے)۔

حلال اور حرام کا تصور

حلال اور حرام کا تصور کوئی پُر اسرار تصور نہیں۔ وہ فطرت کے قانون (law of nature) کا مذہبی نام ہے۔ حلال اور حرام کا مطلب اُن ابدی اصولوں کو اپنی زندگی میں اختیار کرنا ہے جو نظام فطرت کے تحت آدمی کی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ اصل یہ ہے کہ خالق نے انسان کو استثنائی طور پر ایک عظیم نعمت دی ہے۔ یہ عظیم نعمت وہی ہے جس کو دماغ کہا جاتا ہے۔ انسان کے دماغ میں لامحدود صلاحیت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہر فرد کے دماغ میں ایک سوملین، بلین، بلین پارٹکل ہیں۔ یہ سارے پارٹکل انفارمیشن پارٹکل ہیں۔ لیکن ابتدائی طور پر یہ تمام پارٹکل خوابیدہ حالت میں ہیں۔ انسان اپنی کوشش سے ان کو اَن فولڈ (unfold) کرتا ہے۔ کوئی آدمی جتنے زیادہ پارٹکل کو اَن فولڈ کرے گا، اتنا ہی زیادہ وہ ذہنی اور روحانی ترقی حاصل کر سکے گا۔

انسان کو موجودہ دنیا میں، جینے کے لیے تھوڑی مدت ملی ہے۔ مثلاً نپولین بونا پارٹ (وفات 1821) غیر معمولی دماغ کا حامل ہونے کے باوجود صرف باون سال کی عمر میں مر گیا۔ سید جمالدین افغانی (وفات: 1897) غیر معمولی دماغ رکھتے تھے۔ لیکن ان کا انتقال صرف اٹھاون سال کی عمر میں ہو گیا، وغیرہ۔

ایسی حالت میں انسان کو اپنے ذہنی امکانات کو اَن فولڈ کرنے کے لیے بہت تھوڑا وقت ملا ہے۔ کوئی بھی آدمی اِس نادانی کا تحمل نہیں کر سکتا کہ وہ سو سال یا اُس سے بھی کم مدت میں مر جائے اور اُس کے ننانوے فیصد سے بھی زیادہ ذہنی امکانات واقعہ بننے سے رہ گیے ہوں۔ محدود عمر کے اندر لامحدود امکانات کے حصول کا تقاضا ہے کہ آدمی کسی بھی قیمت پر اِس نقصان کو برداشت نہ کرے۔

اِس نقصان کا سب سے بڑا ذریعہ صرف ایک ہے اور وہ ہے ڈسٹریکشن (distraction)، یعنی ذہنی امکانات کی اَن فولڈنگ کے پراسس کا رُک جانا۔ ڈسٹریکشن کیا ہے، اس کو لغت میں اِس طرح بیان کیا گیا ہے:

Distraction is the diverting of the attention of an individual or group from the chosen object of attention onto the source of distraction.

حرام (unlawful) دراصل اِسی ڈسٹریکشن کا مذہبی نام ہے۔ وہ تمام چیزیں جن کو مذہب میں حرام یا منع کیا گیا ہے، وہ سب اِسی لیے حرام یا منع ہیں کہ وہ آدمی کے ذہن کو اصل نشانے سے غیر مفید طور پر ہٹا دیتی ہیں، اور اِس طرح آدمی کے اندر ذہنی ارتقا کا عمل، وقتی طور پر یا مستقل طور پر، رُک جاتا ہے۔

اِس ڈسٹریکشن کی دو قسمیں ہیں — حرام اور مکروہ۔ موجودہ دنیا میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جو مکمل ڈسٹریکشن (total distraction) کا ذریعہ بنتی ہیں، ایسی چیزوں کو مذہب میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ اِن کے علاوہ کچھ اور چیزیں ہیں جو جُزئی ڈسٹریکشن (partial distraction) کا ذریعہ بنتی ہیں، اُن کو حرام تو نہیں قرار دیا گیا، لیکن اُن کو مکروہ بتایا گیا۔ یعنی غیر مطلوب یا قابلِ پرہیز۔

حرام چیزوں میں سے چند چیزیں یہ ہیں — بت پرستی، قتل، زنا، شراب، خنزیر، جوا، وغیرہ۔ جو چیزیں مکروہ قرار دی گئی ہیں، اُن میں سے چند چیزیں یہ ہیں — لڑائی جھگڑا، عورت مرد کا اختلاط، شاپنگ، آؤٹنگ، رقص وسُرود، بے فائدہ تفریحات، پان سگریٹ، فیشن، میک اپ، پُرتکلف دعوتیں، سامانِ عیش، تحفے تحائف کی رسم، احباب اور اعزہ کی بے معنٰی دھوم، سماجی تکلفات اور تقریبات، وغیرہ۔

آدمی کا ذہن فطری طور پر جامد ذہن نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ متحرک رہتا ہے۔ اِس کے بعد آدمی مطالعہ، مشاہدہ، انٹلکچول ایکسچینج، غور وفکر، عبرت پذیری، وغیرہ کے ذریعہ جو سیکھتا ہے، وہ مسلسل طور پر انسان کی ذہنی ترقی میں مددگار بن جاتا ہے۔ ذہنی ترقی کا یہ عمل ایک مسلسل عمل ہے۔ یہاں تک کہ وہ سونے کی حالت میں بھی جاری رہتا ہے۔ جب بھی آدمی مذکورہ قسم کے محرّمات یا ممنوعات میں مشغول ہوتا ہے تو وہ اُس کے لیے ایک ڈسٹریکشن کا لمحہ ہوتا ہے۔ وہ اُس کے اندر اُس فکری پراسس کو، وقتی یا ابدی طور پر، روک دیتا ہے جو آدمی کے ذہنی ارتقا کے لیے ضروری ہے۔

اِس نظریے کو کسی بھی شخص کا مطالعہ کرکے سمجھا جاسکتا ہے۔ مثلاً جو لوگ بزنس یا تفریحات وغیرہ میں زیادہ مشغول رہتے ہیں، اُن سے بات کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اگر چہ وہ اپنے پروفیشن میں بظاہر کامیاب ہیں، لیکن وہ فکری ارتقا کے معاملے میں بالکل پس ماندہ ہیں۔ فکری موضوعات پر اُن سے بات کیجیے تو آپ کو فوراً محسوس ہوگا کہ وہ ذہنی پس ماندگی (intellectual backwardness) کا شکار ہیں۔

لوگ جسمانی دیو (physical giant) ہیں اور ذہنی بَونے (intellectual dwarf)۔

موجودہ زمانے میں مغربی تہذیب نے تفریحات کو ایک عمومی کلچر کی حیثیت دے دی ہے۔ آج یہ حال ہے کہ آرٹ، ٹی وی، سینما، فیشن، عورت مرد کا اختلاط، تفریحی تقریبات بہت زیادہ عام ہوگئی ہیں۔ قدیم زمانے میں اِس قسم کی تفریحات کا کوئی وجود نہ تھا۔

اب قدیم اور جدید زمانوں کا تقابل کرکے دیکھئے۔ جتنے بڑے بڑے فلسفی، مصنف، سائنس داں اور مُوجد پیدا ہوئے، وہ تقریباً سب کے سب قدیم زمانے میں پیدا ہوئے۔ موجودہ تفریحات کے زمانے میں شاید کوئی بھی بڑا صاحب دماغ آدمی پیدا نہیں ہوا۔ اِس کا سبب یہ نہیں ہے کہ عالی دماغ لوگ پیدا ہونا بند ہوگیے، بلکہ اِس کا سبب یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں ایسی بے شمار چیزیں وجود میں آگئی ہیں جو مسلسل طور پر انسان کے لیے ڈسٹریکشن کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ جب کہ قدیم زمانے میں ڈسٹریکشن کے یہ اسباب موجود نہ تھے۔ اِس لیے انسان یکسو ہوکر صرف اپنے علمی یا سائنسی کام میں مشغول رہتا تھا۔

ہندی ترجمہ قرآن (हिन्दी क़ुरआन)

زیرِ نظر ترجمہ، ہندی زبان میں قرآن کا سلیس اور آسان ترجمہ ہے۔ عوام الناس کا خیال رکھتے ہوئے ہندی کے مشکل الفاظ سے اجتناب کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ عام فہم زبان میں ہونے کی بنا پر عوام اور خواص دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔

ہدیہ: صرف -/20 روپئے

ایک تاریخی جائزہ

قرآن میں ایک تاریخی واقعے کو اِس طرح بیان کیا گیا ہے: **ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولاھدی ولا کتاب منیر** (الحج: 8) اِس آیت میں جو بات کہی گئی ہے، وسیع تر انطباق کے لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ زندگی کے بارے میں بغیر ہدایت، خدائی اسکیم سے لڑتے ہیں:

Some people defy the divine scheme without having a guidance.

اِس آیت کی روشنی میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ پوری انسانی تاریخ پر ایک تبصرہ ہے۔ ساری تاریخ میں مسلسل یہ ہوتا رہا ہے کہ بڑے بڑے دماغ کسی رہنمائی کے بغیر محض اپنی ذاتی اُپج سے زندگی اور کائنات کی تشریح کرتے رہے۔ اِس طرح انھوں نے انسانیت کے بڑے حصے کو گمراہی کے راستے پر ڈال دیا۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

فلسفے کی مثال

تمام علوم میں فلسفہ شاید سب سے قدیم علم ہے۔ بڑی تعداد میں اعلیٰ دماغ، فلسفیانہ غور میں مشغول رہے ہیں لیکن فلسفہ انسانی علم میں کوئی مثبت اضافہ نہ کرسکا۔ مثال کے طور پر تقریباً تمام فلسفیوں نے یہ کیا کہ انھوں نے کائنات کے مختلف مظاہر کو وحدت کی اصطلاح میں بیان کرنے کی کوشش کی۔ اِس طرح انھوں نے یہ کیا کہ انھوں نے خالق اور تخلیق دونوں کو ایک قرار دے دیا۔ ان کے نزدیک ایک ہی حقیقت تھی جو مختلف اشیا کی صورت میں اپنا ظہور کر رہی تھی۔ اسی فلسفیانہ تفکیر کے نتیجے میں تخلیق کے بارے میں وہ نظریہ پیدا ہوا جس کو وحدتِ وجود (monism) کہا جاتا ہے، سنسکرت میں اسی کو اَدُوئت واد کہتے ہیں۔

یہ نظریہ انسانی فطرت کے خلاف تھا۔ مطالعہ بتاتا ہے کہ انسان کی فطرت میں ایک بڑے کا تصور نہایت گہرائی کے ساتھ پیوست ہے۔ انسان اپنے داخلی تقاضے کے تحت، ایک ایسی ہستی کو پانا

چاہتا ہے جو اُس سے برتر ہو، جو اس کے لیے اعتماد کا سر چشمہ بن سکے۔ مگر وحدتِ وجود کے نظریے میں اِنسان کی اس تلاش کا جواب نہیں۔ کیوں کہ یہ نظریہ بتاتا ہے کہ انسان خود ہی خدا ہے۔ انسان کے باہر کوئی اور ہستی موجود نہیں جس کو وہ اپنا مرکز و محور بنا سکے۔ اِس طرح وحدتِ وجود کے نظریے نے انسان کی سب سے بڑی طلب کو اس کا مطلوب فراہم کیے بغیر حیرانی اور سرگشتگی کی حالت میں چھوڑ دیا۔

دوسری طرف یہ ہوا کہ پوری تاریخ میں پیغمبر اٹھتے رہے۔ انھوں نے بتایا کہ زندگی کی تشریح کا زیادہ صحیح تصور ’وحدتِ وجود‘ نہیں ہے بلکہ توحید (monotheism) ہے۔ اِس پیغمبرانہ تصور کے مطابق، یہاں ایک قسم کی ثنویت (dualism) پائی جاتی ہے۔ یعنی خالق اور تخلیق دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ایک خدا ہے جس نے انسان کو اور ساری کائنات کو پیدا کیا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ خالق الگ ہے، اور تخلیق اُس سے الگ۔

اِس پیغمبرانہ تصور کے مطابق، یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف انسان اور کائنات کی قابلِ فہم تشریح مل جاتی ہے، بلکہ انسان کو وہ مطلوب بھی حاصل ہوجاتا ہے جس کا تقاضا اس کا پورا وجود کر رہا تھا۔

فلسفیانہ توجیہ کے نادرست ہونے کے بہت سے پہلو ہیں، مگر اس کی نادرستگی کا سب سے بڑا پہلو یہ ہے کہ وہ فطرتِ انسانی کے لیے ایک متبائن (incompatable) تصور کی حیثیت رکھتا ہے، اور جو چیز فطرتِ انسانی کے لیے متبائن تصور کی حیثیت رکھتی ہو، وہ اپنے آپ میں قابلِ رد ہے۔ اس کے بعد اس کو رد کرنے کے لیے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

پیغمبرانہ ہدایت آدمی کو فکری عمل کے لیے رہنما اصول (guideline) دیتی ہے۔ اِن اصولوں سے رہنمائی لینے والا آدمی فکری بھٹکاؤ سے بچ جاتا ہے۔ وہ اِس قابل ہوجاتا ہے کہ صحیح سمت کا اتباع کرتے ہوئے درست شاہ راہ پر اپنا سفر جاری رکھے، یہاں تک کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ جائے۔

سائنس کی مثال

فلسفے کے بعد دوسرا سب سے بڑا علم وہ ہے جس کو سائنس یا علومِ قطعیّہ (exact sciences) کہا جاتا ہے۔ سائنس اُس علم کا نام ہے جس میں مظاہرِ فطرت کی تحقیق کرکے فطرت کے اصول اخذ

کیے جائیں اوران کی روشنی میں مادّی دنیا کی تعمیر کی جائے۔ یہ علم ابتدائی صورت میں بہت پہلے سے موجود تھا، لیکن وہ انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں اپنے عروج پر پہنچا ہے۔

سائنس نے انسان کو بہت سی چیزیں دی ہیں۔ یہاں تک کہ تاریخ میں پہلی بار یہ ممکن ہوگیا کہ مادّی قوانین کا اتباع کرکے اپنے لیے ایک پُرکشش دنیا بنائی جاسکے۔ انسان ہمیشہ سے راحت اور آسائش کی زندگی کا طالب رہا ہے۔ سائنس نے پہلی بار ایسا کیا کہ بظاہر اس نے اِس بات کو ممکن بنادیا کہ انسان اپنی خواہشوں کو واقعے کی صورت دے سکے۔

لیکن جہاں تک فکری پہلو کا تعلق ہے، سائنس نے انسان کو ایک بہت بڑی بے راہ روی میں ڈال دیا، ایک ایسی بے راہ روی جو اپنے نتیجے کے اعتبار سے کامل تباہی کے ہم معنٰی ہے۔

وہ فکری گمراہی یہ ہے کہ دنیا میں مختلف قسم کے جو سامانِ حیات موجود ہیں، ان کو سائنس نے صرف یہ حیثیت دی کہ وہ لائف سپورٹ سسٹم (life support system) کے طور پر ہیں۔ حالاں کہ خدا کے تخلیقی نقشے کے مطابق، ان کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ ٹسٹ سپورٹ سسٹم (test support system) کے طور پر ہیں۔

سامان حیات کے سائنسی تصور کی روشنی میں انسان اور اس سامانِ حیات کے درمیان جو تعلق بنتا ہے، وہ وہی ہے جو حیوانات کا اِن چیزوں کے ساتھ بنا ہوا ہے۔ حیوان اِن چیزوں کو صرف ذریعۂ انتفاع کے طور پر دیکھتا ہے، جس سے کوئی ذمّے داری وابستہ نہ ہو۔ سائنسی خاکے میں یہی حال انسان کا بھی ہوجاتا ہے۔ سائنسی تصور کے مطابق، انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ دنیوی ساز وسامان سے انتفاع اس کے لیے صرف رائٹ (right) کا ایک مسئلہ ہے، وہ ڈیوٹی (duty) کا مسئلہ نہیں۔ یہ تصور انسان کو اُس سطح پر لے جاتا ہے، جس کو حیوانی سطح کہا جاتا ہے۔

اس کے برعکس، سامانِ حیات کے بارے میں پیغمبرانہ تصور یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں امتحانی پرچہ (test papers) کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے ساتھ براہِ راست طور پر ذمے داری کا تصور جُڑا ہوا ہے۔ اِس طرح پیغمبرانہ تصور آدمی کو مکمل طور پر ڈیوٹی کانشش (duty concious) بنا دیتا ہے۔

سائنسی تصور کے مطابق، یہ حال ہوتا ہے کہ ہر آدمی زندگی کو اِس نظر سے دیکھنے لگتا ہے کہ وہ اِس لیے دنیا میں ہے کہ وہ بقدر امکان آرام اور آسائش کی چیزیں حاصل کرے اور پھر مر جائے۔ جب کہ پیغمبرانہ تصور کا مطلب یہ ہے کہ اِس دنیا میں انسان کو جو کچھ بھی ملتا ہے، وہ صرف اس لیے ہوتا ہے کہ انسان اس کے اندر اپنا امتحان دے، اور پھر موت کے بعد کی ابدی زندگی میں اس کے مطابق، انعام یا سزا کی صورت میں اس کا نتیجہ پائے۔

پیغمبرانہ تصور کے مطابق، خالق نے ہماری زندگی کو دو دَوروں میں تقسیم کیا ہے— موت سے پہلے، اور موت کے بعد۔ موت سے پہلے کا مرحلہ عمل کرنے کا مرحلہ ہے، اور موت کے بعد کا مرحلہ اپنے عمل کا انجام پانے کا مرحلہ۔ سائنسی تصور کے مطابق، زندگی کی معنویت کو سمجھنے کا معیار یہ ہے کہ آدمی اس عارضی مرحلۂ حیات کو کتنا زیادہ پُر آسائش بنا سکا۔ جب کہ پیغمبرانہ تصور کے مطابق، سارا معاملہ جنت سے تعلق رکھتا ہے۔ پیغمبرانہ تصور کے مطابق، انسان کی کامیابی یہ ہے کہ وہ دنیا میں ملی ہوئی ہر چیز کو امتحان کا ایک پرچہ سمجھے۔ وہ چیزوں کے درمیان اِس احساس کے ساتھ رہے کہ اُسے دنیا میں اُس روش کو اختیار کرنا ہے جو موت کے بعد کے طویل تر مرحلۂ حیات میں اس کو کامیاب بنا سکے۔

لکھنؤ اور سہارن پور میں مولانا وحید الدین خاں کی عصری اسلوب میں فکر انگیز اسلامی کتابیں اور ماہ نامہ الرسالہ حسب ذیل پتے پر دستیاب ہیں:

Mohmmad Hassan Nadwi
Star Mobiles & Electronics, Shop No. 6, Sabzi Mandi,
Sattya Market, Sector: 17, Lucknow (U.P.) 226 016
Mobile: 09305356090, Email: mhcps@yahoo.com

Dr. Mohd. Aslam
3/1108, Dehradun Chawk
Saharanpur- 247 001, U.P.
Mob. 9997153735, Email: dr_aslm@rediffmail.com

بغیرِ ہدایت

(History of Withouts)

نظریۂ ارتقا کو ماننے والے لوگ زمین پر انسان کی تاریخ کو لاکھوں سال قدیم بتاتے ہیں، لیکن تاریخ کے رکارڈ کے مطابق، زمین پر انسان کی عمر بہ مشکل پچیس ہزار سال پیچھے تک جاتی ہے۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو انسانی زندگی کے دو پہلوؤں میں بہت زیادہ فرق ملے گا — انسان نے مادّی چیزوں میں تو بہت زیادہ ترقی کی، لیکن انسانی علوم میں لمبی مدت گذرنے کے باوجود کوئی ترقی نہ ہوسکی۔ مٹیریل ترقی کا خواب انسان نے بڑی حد تک پورا کرلیا، لیکن ذہنی اور روحانی ترقی کی سمت میں ابھی تک کوئی قابلِ ذکر پیش قدمی نہ ہوسکی۔ اسی کا ایک اظہار درج ذیل کتاب ہے جو پہلی بار 1935 میں چھپی۔ اس کا نام یہ ہے:

Dr. Alexis Carrel, Man the Unknown

اصل یہ ہے کہ ترقی کے لیے ہمیشہ گائڈ لائن کی ضرورت ہوتی ہے۔ مٹیریل ورلڈ یا فزکل ورلڈ کا معاملہ یہ ہے کہ اس کی گائڈ لائن خود اِن اشیا کے اندر موجود ہے۔ تجربے کے ذریعے اس قانون کو دریافت کرکے ترقی کا سفر جاری رکھا جاسکتا ہے۔

مثلاً سواری کے میدان میں یہ ہوا کہ پہلے انسان گھوڑے پر سواری کرتا تھا۔ اس کے بعد اس نے پہیے دار گاڑی بنائی۔ اس کے بعد سمندری جہاز بنائے گیے۔ پھر اس نے بائسکل تیار کی۔ اس کے بعد موٹر کار بنی اور پھر ہوائی جہاز اور راکٹ تیار کیے گیے۔ اِن تمام سواریوں کو بنانے کے لیے گائڈ لائن لا آف نیچر کی صورت میں خود اُن چیزوں کے اندر موجود تھی جس کو استعمال کرکے مختلف قسم کی سواریاں بنائی گئیں۔

مگر انسان کے بارے میں سب کچھ لامعلوم تھا۔ مثال کے طور پر انسان جب پیدا ہوتا ہے اور سماج کے اندر رہنا شروع کرتا ہے تو اس کے ذہن کی کنڈیشننگ ہونے لگتی ہے، یہاں تک کہ ہر آدمی

مسٹر کنڈیشنڈ بن جاتا ہے، یہ کنڈیشننگ، آدمی کو اس قابل نہیں رکھتی کہ وہ اپنی دنیا کے بارے میں بے آمیز رائے قائم کرسکے۔ مگر یہ حقیقت صرف بیسویں صدی کے رُبع اوّل میں معلوم ہوسکی اور وہ بھی صرف پچاس فیصد۔ یہ واقعہ پھر بھی لامعلوم رہا کہ کنڈیشنڈ مائنڈ کی ڈی کنڈیشننگ کرکے اس کو دوبارہ فطری سوچ (natural thinking) پر لایا جاسکتا ہے۔

قرآن خدا کی کتاب ہے۔ قرآن کی اصل حیثیت یہی ہے کہ وہ انسان کے لیے ایک قابل اعتماد گائڈ لائن ہے۔ مذکورہ سوال کا جواب قرآن کی اِس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے: **ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علمٍ ولا ھدًی ولا کتاب منیر (الحج: 8)** یعنی لوگوں میں کوئی شخص ہے جو اللہ کی بات میں جھگڑتا ہے، علم اور ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر۔

اِس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی سائنس میں ناکامی کا سبب یہ ہے کہ لوگوں نے گائڈنس کے بغیر انسانی زندگی کو سمجھنا چاہا اور اس کی تشکیل کرنے کی کوشش کی۔ یہی واحد وجہ ہے جس کی بنا پر انسانی سائنس ترقی سے محروم رہی۔ کیوں کہ جب گائڈنس موجود نہ ہو تو آدمی کو اپنے عمل کا نقطہ آغاز ہی نہیں ملے گا، اور جب حقیقی نقطہ آغاز کو جانے بغیر سفر شروع کیا جائے تو ایسا سفر کبھی اپنی منزل تک پہنچنے والا نہیں۔

خالق کے تخلیقی نقشے کو جانے بغیر

کسی پیچیدہ مشین کو بنانے والا انجینئر ہی اس کی گائڈ بک دے سکتا ہے، یہی معاملہ موجودہ دنیا کا ہے۔ موجودہ دنیا کو خدا نے اپنے تخلیقی نقشے کے مطابق بنایا ہے۔ یہ تخلیقی نقشہ زندگی کی حقیقی تعمیر کے لیے ضروری ہے۔ خالق کے تخلیقی نقشے کو جانے بغیر زندگی کا جو تصور قائم کیا جائے گا، وہ حقیقتِ واقعہ کے مطابق نہ ہوگا۔ اور جو منصوبہ حقیقتِ واقعہ کے مطابق نہ ہو اس کے لیے ناکامی یقینی ہے۔

خدا کی کتاب قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اِس دنیا کو ٹسٹ کے لیے بنایا ہے۔ اس دنیا سے انسان کے تعلق کی نوعیت وہی ہے جو امتحان ہال سے ایک طالب علم کی ہوتی ہے۔ امتحان ہال میں کوئی طالب علم اس لیے جاتا ہے کہ وہاں وہ مطلوب ٹسٹ دے کر اپنے آپ کو اس بات کا اہل ثابت

کرے کہ امتحان ہال کے باہر کی دنیا میں وہ جگہ پانے کا مستحق ہے۔

اسی طرح موجودہ دنیا انسان کے لیے خدائی ٹسٹ دینے کی جگہ ہے۔ موت سے پہلے کی اِس دنیا میں آدمی کو یہ کرنا ہے کہ وہ ٹسٹ میں اپنے آپ کو کامیاب ثابت کرے، تاکہ موت کے بعد کی دنیا میں وہ خدا کے ابدی انعامات کا مستحق قرار پائے۔

انسان کو یہ کرنا ہے کہ وہ خدا کی گائڈبک کے ذریعے دنیا کے بارے میں خدا کے تخلیقی نقشے کو جانے، اور اس سے مطابقت کرتے ہوئے اپنی زندگی کی تشکیل کرے۔ جو لوگ ایسا کریں وہی کامیاب انسان ٹھیریں گے اور جو لوگ ایسا نہ کریں وہ ناکام ہو کر رہ جائیں گے۔

آئڈیل زندگی کی تعمیر

مشہور یونانی فلسفی افلاطون (Plato) تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے یونان میں پیدا ہوا۔ اس کا نشانہ یہ تھا کہ یونان میں ایک اسٹیٹ بنائی جائے جو ہر اعتبار سے آئڈیل ہو۔ اس نے اپنے کتاب آئڈیل اسٹیٹ (Ideal State) میں اس کا نقشہ پیش کیا۔ اس کے نزدیک آئڈیل اسٹیٹ بنانا پوری طرح ممکن تھا۔ افلاطون یونان کے شاہی خاندان کا معلم تھا۔ اِس طرح اس کو موقع مل گیا کہ وہ شہزادوں کی تعلیم وتربیت کر کے ایسا مطلوب سیاسی کردار تیار کرے جو اس کی اسٹیٹ میں وہ رول ادا کر سکے جس کو اس نے فلاسفر کنگ (Philosopher King) کا نام دیا تھا۔ مگر افلاطون کی مفروضہ آئڈیل اسٹیٹ کبھی قائم نہ ہو سکی۔

اِس کا سبب یہ نہ تھا کہ اس کے شاگرد سکندر اعظم نے بعد کے مرحلے میں اس کی پیروی نہ کی، بلکہ اس کا سبب فطرت کے تخلیقی نقشے سے بے خبری تھی۔ خدا نے یہ دنیا اِس لیے نہیں بنائی کہ یہاں آئڈیل اسٹیٹ بنائی جاسکے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کے تخلیقی نقشے کے مطابق، آئڈیل اسٹیٹ اِس دنیا میں بنانا ممکن ہی نہیں۔ افلاطون نے ایک ناقابلِ عمل منصوبے کو عمل میں لانا چاہا، اس لیے وہ ناکام ہو کر رہ گیا۔ خدا کے تخلیقی نقشے کے مطابق، اگر وہ کسی عملی منصوبے کو زیر عمل لانے کی کوشش کرتا تو ضرور وہ کامیاب ہو سکتا تھا۔

ڈی کنڈیشننگ کے بغیر تفکیری عمل

حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **کلّ مولود یولد علی الفطرة، فأبواه یهوّدانه أو ینصّرانه، أو یمجّسانه** (صحیح البخاری، کتاب الجنائز) یعنی ہر پیدا ہونے والا اپنی اصل فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا مسیحی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

اس حدیثِ رسول میں جو بات کہی گئی ہے وہ اب خود سائنسی ریسرچ کے تحت ثابت ہو چکی ہے۔ اب خالص علمی طور پر یہ مان لیا گیا ہے کہ کوئی عورت یا مرد جس ماحول میں پرورش پاتے ہیں، اُس ماحول کے مطابق، ان کے ذہن کی کنڈیشننگ ہو جاتی ہے۔ یہ اصول اتنا زیادہ عام ہے کہ کوئی بھی شخص اس سے مستثنیٰ نہیں۔ کنڈیشننگ کا یہ عمل غیر شعوری طور پر ہوتا ہے۔ چناں چہ یہ پراسس ہر آدمی کے ذہن میں جاری رہتا ہے اور کوئی آدمی بطورِ خود یہ جان نہیں پاتا کہ اس کے ذہن میں مسلسل طور پر کنڈیشننگ کا عمل جاری ہے۔

کنڈیشننگ کا یہ معاملہ پہلی بار بیسویں صدی کے آغاز میں سامنے آیا۔ امریکا میں نفسیات کے پروفیسر واٹسن (J.B. Watson) نے اِس موضوع پر لمبی تحقیق کے بعد 1925 میں اپنی مشہور کتاب بہیویرازم (Behaviourism) چھاپی۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ ہر آدمی لازمی طور پر کنڈیشننگ کا معمول بنتا ہے، کوئی بھی انسان اس سے بچ نہیں سکتا۔ واٹسن کا یہ نظریہ اتنا مقبول ہوا کہ عرصے تک وہ یونیورسٹیوں میں نفسیات کے نصاب میں پڑھایا جاتا رہا۔

لیکن واٹسن کے نظریے میں ایک بھیانک کمی تھی۔ اس نے یہ فرض کرلیا کہ یہ کنڈیشننگ جو ہوتی ہے، وہی اصل صورت حال ہے۔ اس نظریے کے مطابق، انسانی شخصیت کی تشکیل وتعمیر نیچر (nature) سے نہیں ہوتی بلکہ نرچر (nurture) سے ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ جو آدمی جیسا بن گیا، وہی اس کی ابدی شخصیت ہے۔ اس کو دوبارہ اس کی ابتدائی فطرت کی طرف نہیں لوٹایا جاسکتا۔

یہ نظریہ اگر چہ بیسویں صدی کے آغاز میں پیش کیا گیا، لیکن عملاً وہ پوری تاریخ پر چھایا رہا۔ پچھلے ہزاروں سال کے درمیان جو عورت اور مرد پیدا ہوئے، وہ سب اِس حقیقت سے بے خبر رہے کہ

ان کے لیے تفکیری عمل کا آغاز یہ ہے کہ وہ اپنے کنڈیشنڈ مائنڈ کی ڈی کنڈیشننگ کریں، وہ اپنے ذہن کے اوپر سے مصنوعی پردوں کو ہٹا کر اپنے آپ کو اپنی اصل فطرت کی طرف واپس لے جائیں۔ خالق نے خارجی دنیا میں پیاز کی صورت میں اس معاملے کی ایک مادّی مثال رکھ دی تھی۔ پیاز اشارے کی زبان میں لوگوں کو بتا رہی تھی کہ پہلے اپنے ذہن کے خارجی پردوں کو ہٹاؤ، اس کے بعد ہی تم چیزوں کو اُن کی بے آمیز صورت میں سمجھ سکتے ہو۔ مگر انسان نے نہ پیاز کی اس مثال سے سبق سیکھا، اور نہ پروفیسر واٹسن اور ان کے ہم نوا اِس حقیقت کو دریافت کرسکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ بے خبری کے راستے پر چلتی رہی۔

مثال کے طور پر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو تمام سیاسی، یا غیر سیاسی تحریکیں ردّعمل کی تحریکیں نظر آتی ہیں۔ روسو کی تحریک، بادشاہت کے خلاف ردّعمل کی تحریک تھی۔ مارکس کی تحریک سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ردعمل کی تحریک تھی۔ جمال الدین افغانی کی تحریک مغربی استعمار کے خلاف ردعمل کی تحریک تھی۔ گاندھی کی تحریک برٹش اقتدار کے خلاف ردعمل کی تحریک تھی۔ آیت اللہ خمینی کی تحریک شاہ ایران کے خلاف ردعمل کی تحریک تھی۔ سید قطب کی تحریک یہودیوں کی زائن ازم (Zionism) کے خلاف ردعمل کی تحریک تھی، وغیرہ۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ردعمل کی تحریک ہمیشہ منفی ذہن کا نتیجہ ہوتی ہے۔ آدمی کسی کے بارے میں نفرت میں مبتلا ہوتا ہے اور پھر وہ اس کے خلاف ردعمل کی تحریک چلانے لگتا ہے۔ یہی پوری انسانی تاریخ کی کہانی ہے۔ تمام عورت اور مرد کسی نہ کسی اعتبار سے نفرت میں جیتے رہے، وہ مثبت نفسیات میں جینے والے نہیں بنے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ کنڈیشننگ کے معاملے سے بے خبر تھے۔ وہ اس حقیقت کو سمجھ نہ سکے کہ اپنے ذہن کی ڈی کنڈیشننگ کے بغیر وہ حقائق کو بے آمیز صورت میں دیکھ نہیں سکتے، جب کہ حقائق کو بے آمیز صورت میں دیکھنا ہی مثبت طرز فکر کی پہلی شرط ہے۔

ذہنی انقلاب کے بغیر روحانیت

روحانیت (spirituality) ہمیشہ سے انسان کی دل چسپی کا موضوع رہا ہے۔ اس کے نام ہر

حلقے میں الگ الگ لیے جاتے رہے ہیں۔ مثلاً مسٹسزم (Mysticism) اور مراقبہ (Meditation) اور تصوّف (Sufism)، وغیرہ۔ روحانیت کے محاذ پر ہزاروں سال سے زبردست سرگرمیاں جاری ہیں، مگر ابھی تک ان سرگرمیوں کا کوئی حقیقی فائدہ حاصل نہ ہوسکا۔ تمام کوششوں اور ریاضتوں کے بعد جو چیز حاصل ہوئی، وہ صرف بے شعور وجد (ecstasy) ہے، نہ کہ روحانی ارتقاء جو کہ ان سرگرمیوں کا اصل مطلوب تھا۔

اصل یہ ہے کہ قدیم زمانے سے لوگ یہ ماننے لگے کہ انسان کا ذہن سوچ کا مرکز ہے، اور انسان کا دل جذبات وعواطف کا مرکز۔ کیوں کہ روحانیت کو عواطف کی نوعیت کی چیز سمجھ لیا گیا، اس لیے انسان ہمیشہ مبنی بَر قلب روحانیت (heart-based spirituality) پر عقیدہ رکھتا رہا۔ اس مفروضے کی بنیاد پر باقاعدہ فلسفہ وضع کیا گیا۔ یہ مان لیا گیا کہ انسان کا دل ہر قسم کے روحانی خزانوں کا سرچشمہ ہے۔ اور دل میں چھپے ہوئے احساسات کو جگا کر روحانی فیض حاصل کیا جاسکتا ہے۔

لیکن موجودہ زمانے میں سائنسی تحقیقات نے اس مفروضے کو بے بنیاد ثابت کردیا۔ اب یہ قطعیت کے ساتھ معلوم ہو چکا ہے کہ فکر اور جذبات دونوں کا واحد مرکز صرف انسان کا ذہن (mind) ہے۔ جہاں تک دل کا تعلق ہے، وہ صرف گردش خون (circualtion of blood) کا ذریعہ ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الرسالہ، نومبر 2004، صفحہ 23؛ جون 2005، صفحہ 6؛ فروری 2006، صفحہ 28؛ اگست 2006، صفحہ 33)

یہی وجہ ہے کہ ہزاروں سال کی روحانی ریاضت کے نتیجے میں انسان کو جو چیز ملی، وہ صرف وجد (ecstasy) تھا، نہ کہ روحانی بنیاد پر ذہنی ارتقاء۔ اس قسم کی روحانیت دراصل، روحانیت کی ایک کم تر صورت (reduced form) ہے، نہ کہ حقیقی معنوں میں روحانی ارتقاء۔

جیسا کہ معلوم ہے، وجد ایک مبہم کیفیت کا نام ہے، جب کہ انسان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایسا ذہن رکھتا ہے جس کے اندر سوچنے کی صلاحیت ہے۔ انسانی تاریخ کی تمام ترقیاں سوچ کی صلاحیت کو عمل میں لانے سے حاصل ہوئی ہیں۔ ایسی حالت میں، روحانیت اگر کوئی چیز ہے تو اس کو

بھی ذہن کی سطح پر حاصل ہونا چاہیے۔ تمام انسانی ترقیوں کا سرچشمہ انسان کے ذہن میں تفکیری عمل ہے، اِسی طرح روحانی ترقی کا ذریعہ بھی تفکیری عمل کو ہونا چاہیے۔ روحانیت دراصل معرفتِ حقیقت کا اعلیٰ درجہ ہے، وہ مبہم بے خودی جیسے کوئی چیز نہیں۔ اس لیے حقیقی روحانیت وہی ہے جو کسی آدمی کو ذہن کی سطح پر حاصل ہو، نہ کہ قلب کی سطح پر۔

اس حقیقت سے بے خبری کی بنا پر ایسا ہوا کہ پوری تاریخ میں انسان حقیقی روحانیت کے حصول سے محروم رہا۔ اس نے جس چیز کو روحانیت سمجھا، وہ روحانیت نہیں تھی۔ اور جو اصل روحانیت تھی اس سے بے خبری کی بنا پر وہ اس کو حاصل کرنے کی طرف اپنا سفر ہی شروع نہ کرسکا۔ تاریخِ انسانی کا یہ شاید سب سے بڑا المیہ ہے، اس سے بڑا المیہ اور کوئی نہیں۔

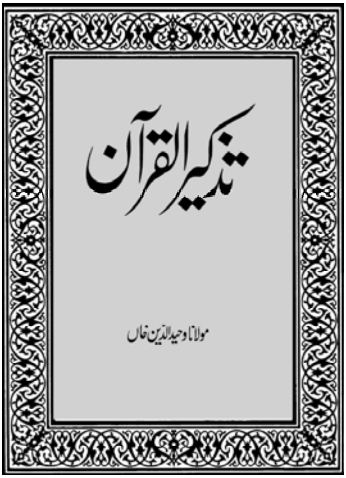

تراجم —— 'تذکیر القرآن'

'تذکیر القرآن' کے ہندی اور انگریزی ترجموں کے بعد اب دیگر مقامی زبانوں —— تلگو، تامل، آسامی، گجراتی، مراٹھی، پنجابی، بنگالی، اُڑیا، کنڑ، نیز مختلف عالمی زبانوں —— جرمن، فرنچ، اسپینش، روسی، جاپانی اور چینی، وغیرہ میں اُس کا ترجمہ اور اشاعت مطلوب ہے۔ جو حضرات 'تذکیر القرآن' کے ترجمہ اور اشاعت کا دعوتی کام کرنا چاہتے ہوں، وہ ادارے کو اپنا مخلصانہ تعاون دیں، اور اپنے مکمل پتے سے آگاہ فرمائیں۔ اِس سلسلے کے تمام اخراجات ادارے کے ذمّے ہوں گے۔

صبر کا وقت عبادت کا وقت ہے

مسجد سے اذان کی آواز بلند ہو تو لوگ جان لیتے ہیں کہ خدا کی عبادت کا وقت آ گیا۔ وہ تیزی سے چل کر مسجد پہنچتے ہیں تاکہ خدا کی عبادت کر کے اُس کا انعام حاصل کر سکیں۔ اسی طرح جب رمضان کے مہینے کا نیا چاند افق پر دکھائی دیتا ہے تو لوگ فوراً سمجھ لیتے ہیں کہ اب روزے کا مہینہ آ گیا۔ وہ ضروری تیاریاں شروع کر دیتے ہیں تاکہ رمضان کے روزے رکھ کر وہ ثواب حاصل کر سکیں جو خدا نے روزے کی عبادت میں رکھ دیا ہے۔

اسی طرح صبر بھی ایک عبادت ہے۔ جب بھی وہ وقت آ جائے جب کہ خدا کی مرضی پر قائم رہنے کے لیے صبر کی قیمت دینا ضروری ہو گیا ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صبر والی عبادت کی ادائیگی کا وقت آ گیا، وہ عبادت جس پر اللہ نے بے حساب اجر کا فیصلہ فرمایا ہے— إنما یوفی الصابرون أجرهم بغیر حساب (الزّمر: 10)

ایک آدمی آپ کے ساتھ اشتعال انگیزی کرے اور آپ کے اندر غصے کی آگ بھڑک اٹھے تو ایسی حالت میں اللہ کا حکم ہے کہ تم جوابی غصے کی کارروائی نہ کرو بلکہ اِس پر صبر کی روش اختیار کرتے ہوئے اُس آدمی کو معاف کر دو (الشوریٰ: 37) گویا کسی کے دل میں غصے کا آنا اُس کے لیے صبر کی عبادت ادا کرنے کے وقت کا آنا ہے۔ یہ عبادت بلا شبہہ اُسی طرح مطلوب ہے جس طرح دوسری معروف عبادتیں۔

یہی معاملہ دوسرے تمام منفی جذبات کا ہے۔ جب بھی ایک آدمی کے اندر کسی کے بُرے سلوک کے نتیجے میں نفرت، انتقام اور حسد جیسے منفی جذبات بھڑکیں تو یہ اس بات کا خاموش اعلان ہوتا ہے کہ اُس آدمی کے لیے صبر کی اعلیٰ عبادت ادا کرنے کا وقت آ گیا۔ وہ فریقِ ثانی کی طرف سے بدسلوکی پر صبر کر کے یک طرفہ طور پر حسن اخلاق کا ثبوت دے اور اس کا مستحق بن جائے کہ اعلیٰ ترین عبادت پر اُس کو اعلیٰ ترین انعام کا مستحق قرار دیا جائے۔

زحمت میں رحمت

دنیا میں ہمیشہ امیری اور غریبی کا فرق پایا جاتا رہا ہے۔ اس فرق کو کچھ لوگ معاشی اور سماجی برائی سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یا تو اس دنیا کا کوئی خدا نہیں، اور اگر خدا ہے تو وہ عادل نہیں۔ کیوں کہ یہ خدا کی عادلانہ صفت کے خلاف ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان یہ فرق رکھے کہ کچھ لوگ معاشی اعتبار سے اونچے ہوں اور کچھ لوگ معاشی اعتبار سے نیچے۔

یہ اعتراض درست نہیں۔ اصل یہ ہے کہ معاش میں اونچ نیچ کا فرق اچھے اور بُرے کی نسبت سے نہیں ہے۔ یہ دراصل اس لیے ہے کہ انسانی سماج میں مسابقت (competition) کا ماحول قائم ہو۔ مزید یہ کہ کم آمدنی والے لوگ زیادہ بہتر پوزیشن میں ہیں۔ کیوں کہ فطرت کے قانون کے تحت یہ ہوتا ہے کہ غریب طبقے کے حالات اس کی تخلیقیت (creativity) کو بڑھاتے ہیں اور امیر طبقے کے حالات اُس کو غیر تخلیقی (uncreative) بناتے چلے جاتے ہیں۔

فطرت کے اسی قانون کی بنا پر بار بار اس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں کہ ایک شخص جو دولت مند گھرانے میں پیدا ہوا تھا وہ عیش وعشرت کا شکار ہوگیا۔ اُس کی صلاحیتیں ترقی نہ کرسکیں۔ آخر کار وہ ایک ناکام انسان کی حیثیت سے مرگیا۔ دوسری طرف یہ برعکس مثال بھی بار بار سامنے آئی ہے کہ ایک شخص غریب ماں باپ کے گھر پیدا ہوا۔ اُس کے حالات نے اُس کو جدوجہد کے راستے پر لگایا۔ وہ دوسروں سے زیادہ محنت کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اُس نے غیر معمولی ترقی حاصل کرلی۔

اُس نے بیک وقت دو پہلوؤں سے ترقی کی۔ ایک طرف اُس کے مشکل حالات نے اُس کو زیادہ گہرے تجربات کرائے۔ اُس کا ذہنی ارتقاء دوسروں سے زیادہ ہوا۔ وہ دوسروں سے زیادہ فہم اور بصیرت کا مالک بن گیا۔ اسی کے ساتھ اُس نے مادی اور معاشی اعتبار سے بھی غیر معمولی ترقی کی۔ اُس کو اپنے باپ کی طرف سے غریبی کی وراثت ملی تھی، مگر جب وہ مرا تو اُس نے اپنی اولاد کے لیے دولت اور جائداد کی بہت بڑی وراثت چھوڑی۔

دعاء کی طاقت

مولانا محمد کلیم صدیقی (پھلت) نے اپنے ایک بھانجے کا قصہ لکھا ہے۔ اِس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کے لیے دعا کتنی زیادہ اہم ہے۔ اِس قصے کو ہم یہاں اُنھیں کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

''نہا دھو کر اُس نے نیے کپڑے پہنے اور آٹھ نو سال کے ننھے داعی حمّاد سلمہ کے پاس آیا اور بڑی فکر مندی سے بولا — حماد بھائی، آج تم مجھے مسلمان کرلو۔ رات تم نے اتنا ڈرایا دیا کہ رات کو دیر تک نیند نہیں آئی۔ اور آئی بھی تو بار بار گھبرا کر آنکھ کھلتی رہی۔ اگر میں آج مر گیا اور کلمہ پڑھنے سے رہ گیا تو پھر ہمیشہ نرک (دوزخ) میں جلنا پڑے گا۔ رات کو 'آپ کی امانت' میں نے تیسری بار پھر پڑھی۔ ننھے داعی حماد نے اُس کو خوش خوش کلمہ پڑھایا۔ اُس سے کہا — اشوک بھائی، اب آپ کا اسلامی نام محمد عاشق رکھتا ہوں۔ ہمارے ماموں اِسی طرح نام رکھتے ہیں۔ حماد اب اس نیے عاشقِ محمد کو لے کر اپنے والدِ محترم برادرِ نسبتی جناب قمر الاسلام کے پاس آیا اور بتایا کہ ابو، یہ اشوک بھائی ہمارے ڈرائیور ہیں اور کتنے اچھے آدمی ہیں۔ میں ایک ہفتے سے ان کو سمجھا رہا تھا۔ میں نے ان کو 'آپ کی امانت' بھی دی۔ روزانہ اللہ سے ان کے لیے دعا بھی کرتا تھا۔ آج اللہ نے میری دعا قبول کرلی۔ انھوں نے کلمہ پڑھ لیا اور ان کا نام میں نے محمد عاشق رکھا۔ قمر الاسلام نے عاشق کو گلے لگایا۔ مبارک باد دی اور بولے — میں خود حیرت میں تھا کہ تم نے حماد کو کیا پلا دیا کہ گھر کے سب لوگوں کو چھوڑ کر ایک ہفتے سے یہ ہر وقت تم سے چمٹا رہتا ہے۔ اصل میں اللہ کو تم پر پیار آرہا تھا۔ اللہ نے اس معصوم کو تمھارے ساتھ لگا دیا۔ اشوک بولا — سر، یہ ننھا اور پیارا ہمدرد ایک ہفتے سے مجھے سمجھا رہا تھا۔ وہ اِس طرح مجھے سمجھا رہا تھا، مجھے لگتا تھا کہ موت بالکل سر پر کھڑی ہے۔ سورگ اور نرک میرے سامنے ہے۔ کلمہ پڑھ کر مجھے چین سا مل گیا ہے۔ جیسے میں کسی محفوظ قلعے میں آگیا ہوں۔ سر، اب آپ مجھے نماز، وغیرہ سکھائیے اور بتائیے کہ ایک اچھا مسلمان بننے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے۔

الحمد للہ اشوک اب محمد عاشق ہے۔ اور روز بروز اُس کے ایمان اور اسلام سے تعلق میں اضافہ ہورہا ہے۔ قمر بھائی نے دو رکعت صلاۃ الشکر پڑھی اور اس حقیر کو فون کیا کہ بھائی میاں، آپ کے بھانجے حماد کا اکاؤنٹ کھل گیا ہے اور عاشق کے مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ سنایا۔ اس سے قبل وہ اپنے اسکول بس کے کنڈیکٹر پر بھی کام کر رہا تھا''۔ (ماہ نامہ ارمغان، فروری 2007، صفحہ: 40)

اسلام کی اِشاعت

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کی توسیع اور اشاعت نہایت تیزی کے ساتھ ہوئی۔ مؤرخین نے اعتراف کیا ہے کہ جس تیز رفتاری کے ساتھ اسلام دنیا میں پھیلا، اُس تیز رفتاری کے ساتھ کوئی اور مذہب نہیں پھیلا۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام کا یہ پھیلاؤ تلوار کے ذریعے ہوا۔ یہ ایک بے بنیاد بات ہے۔ مذہب ایک فکری اعتراف کا معاملہ ہے، مذہب کو کبھی تلوار کے ذریعے پھیلایا نہیں جاسکتا، اور نہ مذہب اسلام کو تلوار کے ذریعے پھیلایا گیا۔

اسلامی تاریخ کے ابتدائی زمانے میں جو لڑائیاں ہوئیں، وہ بادشاہوں کی فوج کے ساتھ ہوئیں۔ عوام سے اِن لڑائیوں کا کوئی تعلق نہ تھا۔ قدیم طریقے کے مطابق، یہ لڑائیاں زیادہ تر بستیوں سے دور کسی غیر آباد مقام پر ہوئیں اور چند روز کے ٹکراؤ کے بعد وہیں اُن کا فیصلہ ہوگیا۔ یہ زمانہ میڈیا سے قبل کا زمانہ تھا۔ چنانچہ عام لوگوں کو اس طرح کے واقعات کی خبر بھی بہت دیر سے ہوتی تھی۔ جنگ کے باوجود عوام کی زندگی بدستور اپنے معمول پر چلتی رہتی تھی۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ میں جنگ کی حیثیت ایک استثناء (exception) کی تھی۔ روز مرّہ کے حالات میں جو ہوتا تھا، وہ یہ تھا کہ لوگ ایک دوسرے سے ملتے، اُن کے درمیان پُر امن مذہبی ڈائلاگ ہوتا، لوگ قرآن کو پڑھ کر اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔ اِس طرح عملاً گویا دو دھارے بن گیے تھے۔ ایک طرف حکمرانوں کی فوجی کارروائی کا دھارا، جو بڑی حد تک عوامی زندگی سے الگ چلتا تھا، اور دوسری طرف اسلام کی پُر امن فکری اشاعت کا دھارا۔ یہ فکری دھارا خاموش انداز میں عوام کے اندر ہمیشہ جاری رہتا۔ اس کے نتیجے میں لوگ اسلام سے متاثر ہوتے اور کسی جبر کے بغیر خود اپنے فیصلے سے وہ اسلام قبول کر لیتے۔

اِس معاملے کی ایک مثال ہندستان میں نظر آتی ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے، ہندستان میں اسلام کی اشاعت بڑے پیمانے پر ہوئی، مگر اِس اشاعت کا کوئی تعلق، مسلم حکمرانوں سے نہ تھا۔ یہ زیادہ تر مسلم صوفیوں کے ذریعے ہوا۔ صوفیوں کا اصول، اُن کے الفاظ میں صلحِ کُل (peace with all) تھا۔ یہی 'صلحِ کل' کی پالیسی تھی جو عملاً ہندستان میں اسلام کی عمومی اشاعت کا ذریعہ بنی۔

ایک پیغام مشن کے ساتھیوں کے نام

> زیرِنظر مضمون صدر اسلامی مرکز کے ایک تربیتی خطاب پر مشتمل ہے۔ یہ خطاب سی پی ایس کی دعوتی ٹیم کے لیے انگریزی زبان میں دیا گیا تھا۔ یہاں اُس کا اُردو ترجمہ شائع کیا جارہا ہے، تاکہ الرسالہ مشن سے وابستہ دوسرے افراد بھی اِس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ (محمد ذکوان ندوی)

میں اس وقت آپ سے کچھ ضروری بات کرنا چاہوں گا۔ یہ باتیں میرے طویل تجربات پر مشتمل ہیں۔ مطالعے اور تجربے اور دعا کے بعد میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ باتیں بہت اہم ہیں۔ جو عورت اور مرد ہمارے دعوتی مشن کے ساتھ جُڑ کر دعوہ ورک کرنا چاہتے ہیں، اُن کو لازمی طور پر اِن باتوں کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔

نتیجہ رُخی کوشش (result-oriented effort)

میرے تجربے کے مطابق، صرف وہی کوششیں درست ہیں جو نتیجہ خیز ہوں۔ بائبل میں کہا گیا ہے — تم نے بہت سا بویا پر تھوڑا کاٹا:

You have sown much, and bring in little (Haggai 1:6)

اِس سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ لوگ عام طور پر بہت زیادہ کام کرتے ہیں، لیکن وہ صرف اس کا تھوڑا نتیجہ حاصل کر پاتے ہیں۔ ایسا اِس لیے ہوتا ہے کہ لوگ، عام طور پر، اپنے عمل کے نتیجے کو سامنے نہیں رکھتے۔ میں آپ تمام لوگوں سے کہوں گا کہ ہمیشہ اپنے عمل کے نتیجے کو سامنے رکھ کر کام کریں اور صرف وہی کام کریں جس کے بارے میں آپ کو معلوم ہو کہ وہ نتیجہ خیز کام ہے۔

قول کے ساتھ عمل کی اہمیت

دنیا میں زیادہ تر لوگ خوب صورت الفاظ بولتے ہیں۔ میرے تجربے کے مطابق، عمل کے بغیر، خوب صورت الفاظ کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ

اچھے عمل کے بغیر اچھے الفاظ گناہ ہیں، نہ کہ کوئی اجر کے قابل چیز:

Good talk without good deeds is a sin,
rather than an awardable practice.

اس لیے آپ کو اِس معاملے میں بہت زیادہ محتاط رہنا چاہیے۔ آپ صرف وہی بات کہیں جس پر آپ عمل کرسکیں۔ آپ کو اِس معاملے میں بہت زیادہ باہوش رہنا ہوگا کہ لوگوں کی خوب صورت باتوں پر آپ یقین کرلیں۔ آپ کسی کی خوبصورت بات پر صرف اُس وقت یقین کریں، جب اُس کے ساتھ عمل بھی موجود ہو۔ عمل کے بغیر خوب صورت الفاظ کی کوئی اہمیت نہیں۔

ترجیحات پر مبنی جدوجہد

مشن کے لیے ابھی آپ کو بہت سے کام کرنے ہیں۔ اس لیے میں آپ سے کہوں گا کہ آپ اپنی ترجیحات متعین کریں۔ میرے نزدیک، قرآن کا انگریزی ترجمہ اور اُس کی عالمی اشاعت اِس وقت ہماری اولین ترجیح ہے۔

اولین ترجیح — قرآن کا انگریزی ترجمہ

میں آپ کو پہلے یہ بتا چکا ہوں کہ اِس وقت قرآن کا ایک درست انگریزی ترجمہ کتنا ضروری ہے، اور یہ ترجمہ کس طرح ہمارے دعوتی مشن کو ایک آئی ڈنٹٹی عطا کرے گا۔ اِس لیے ہم کو ترجیحی بنیاد پر ترجمۂ قرآن کے اِس کام کو کرنا ہوگا۔

اِس وقت قرآن بسٹ سیلر (best seller) بن چکا ہے۔ جیسا کہ ابھی گوگل (Google) کے ایک آن لائن ریڈنگ سروے میں بتایا گیا ہے کہ — قرآن، گوگل بُک سرچ کے ٹاپ پر ہے، اور 'آن لائن ریڈنگ' میں قرآن سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب بن چکا ہے:

The Quran tops Google book search and it has
the topmost position as regards online reading.

اِس سروے سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانے میں قرآن کی کتنی زیادہ ڈمانڈ ہے۔ مارکیٹ میں قرآن کے تقریباً دو درجن انگریزی ترجمے دستیاب ہیں، لیکن المیہ یہ ہے کہ اُن میں سے کوئی ایک

ترجمہ بھی ایسا نہیں ہے جس کو قرآن کا درست ترجمہ کہا جاسکے۔

ایسی حالت میں قرآن کا ایک درست انگریزی ترجمہ لوگوں کے لیے سب سے زیادہ بڑی خبر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس لیے جتنی جلد ممکن ہوسکے، ہم کو قرآن کا ایک درست انگریزی ترجمہ تیار کرنا ہوگا۔

اِس وقت ہمارے سامنے ایک مسئلہ درپیش ہے، اور وہ آئی ڈنٹٹی (identity) کا مسئلہ ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہمارے دعوتی مشن کے لیے آئی ڈنٹٹی کی حیثیت رکھتی ہو۔ عام طور پر لوگ یہ کہتے ہیں کہ — الرسالہ مشن ایک قسم کا 'ون مین شو' ہے:

The Al-Risala mission is a 'one man show'.

اِس امیج کو بدلنا ضروری ہے، ورنہ ہمارا مشن ایک انٹرنیشنل مشن بننے کے بجائے ایک قسم کا فرقہ (sect) بن جائے گا۔ اگر ہم قرآن کا ایک درست انگریزی ترجمہ شائع کرنے میں کامیاب ہوگیے تو انشاء اللہ یہ قرآنی کام ہمارے مشن کے لیے ایک آئی ڈنٹٹی ثابت ہوگا، اور بلاشبہہ یہ سب سے بڑی آئی ڈنٹٹی ہے جس کو ہم اِس دنیا میں حاصل کرسکتے ہیں۔

آئی ڈنٹٹی کے علاوہ، اِس میں ایک اور بہت بڑا پہلو موجود ہے، وہ یہ کہ ترجمۂ قرآن کا یہ کام ہمارے دعوتی مشن کے لیے ایک بہت بڑا بوسٹ (boost) ثابت ہوگا۔ ہر مشن کی کامیابی کے لیے ایک 'بوسٹ' درکار ہوتا ہے، اور قرآن کا درست انگریزی ترجمہ، انشاء اللہ ہمارے مشن کے لیے اسی طرح کا ایک بوسٹ ثابت ہوگا۔

اردو زبان کی اہمیت

میری شدید خواہش ہے کہ ہمارے دعوتی مشن (سی پی ایس) کے تمام ممبر اُردو زبان سیکھیں۔ میری اردو کتابیں، اسلام کے صحیح فہم اور اسلام کی صحیح تعبیر کو سمجھنے کا واحد ذریعہ ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ — **لا یبقیٰ من الإسلام إلا اسمه، ولا یبقیٰ من القرآن إلا رسمه۔ (رواه البیهقی فی شعب الإیمان، مشکوة المصابیح، رقم الحدیث: 276)** یعنی بعد کے زمانے میں اسلام کا صرف نام باقی رہے گا اور قرآن کی صرف لکیریں رہ جائیں گی۔

یہ ایک واقعہ ہے کہ بعد کے دَور میں حقیقی اسلام تعبیرات کی کثرت میں گم ہوکر رہ گیا ہے۔ میں نے خدا کے فضل سے اپنی ساری زندگی اسلام کو اُس کے اصل ماخذ (original sources) سے ازسرِ نو دریافت کرنے میں صرف کی ہے۔ اور اپنے اردو لٹریچر کی صورت میں اسلام کی صحیح تعبیر پیش کردی ہے۔

میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کسی آدمی کے لیے میرا اُردو لٹریچر اسلام کی صحیح تعبیر کو سمجھنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اِس لٹریچر کا دوسرا کوئی اور بدل نہیں۔ اِس لیے ہر وہ آدمی جو سنجیدگی کے ساتھ ہمارے دعوتی مشن سے جڑنا چاہتا ہو، اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ باقاعدگی کے ساتھ اُردو زبان سیکھے، تاکہ وہ ہماری اردو کتابوں کو سمجھ سکے۔ جو شخص میری اِس بات پر عمل نہ کرے، وہ فکری اندھیرے اور کنفیوژن میں جینے پر مجبور ہوگا۔ وہ اسلام کو اُس کے حقیقی مفہوم میں سمجھنے سے قاصر رہے گا۔ اس لیے میں اِس معاملے میں سی پی ایس ٹیم کے کسی ممبر کو مستثنیٰ کرنے کے لیے تیار نہیں۔

عالمی سطح پر لٹریچر کی اشاعت

میرے علم کے مطابق، میری اردو کتابیں، اسلام کی درست تعبیر کو معلوم کرنے کا واحد ذریعہ ہیں، اِس مقصد کے لیے دوسرا کوئی لٹریچر مفید نہیں۔ میری تمام کتابوں کی اُردو اور دیگر زبانوں میں اشاعت کے لیے آپ کو اپنی تمام تر کوششیں صرف کرنا ہے۔ آپ کو لازماً یہ کوشش کرنا ہے کہ میری تمام کتابیں عالمی سطح پر اشاعت کے لیے چھپ کر تیار ہوجائیں۔ بہت سارا مٹیریل جو میں نے اُردو میں تیار کیا ہے، ابھی اُس کو چھپنا باقی ہے۔ آپ کو لازمی طور پر اُس مٹیریل کی بھی اشاعت کرنا ہے۔ اِس سارے مٹیریل کا انگریزی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ اور عالمی سطح پر اس کی اشاعت ضروری ہے۔

ہم کو تمام انسانوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا کا بھرپور طور پر استعمال کرنا ہوگا۔ میری کتابوں کے علاوہ، میری سیکڑوں تقاریر کی آڈیو اور ویڈیو رکارڈنگ

ہوچکی ہے۔ آپ کو ٹیلی ویژن، ریڈیو، آڈیو کیسٹ، سی ڈی، وی سی ڈی اور ڈی وی ڈی اور میڈیا کے ذریعے ان چیزوں کو ہر ممکن طریقے سے دنیا کے ہر انسان تک پہنچانا ہے۔

سارے انسانوں تک اسلام کا پیغام پہنچانا، ہمارا مشن ہے۔ مشن کی اِس نوعیت کا تقاضا ہے کہ ہمارے اندر بولنے کی صلاحیت (speaking skill) ہو۔ اس لیے دوسری سرگرمیوں کے ساتھ ضروری ہے کہ ہمارے مشن کے تمام افراد اپنے آپ کو پبلک اسپیکنگ (public speaking) کے لیے تیار کریں۔

موجودہ زمانے میں تقریباً روزانہ میٹنگ، کانفرنس اور سیمنار ہوتے ہیں۔ اِس میں ہر مذہب کے لوگوں کو اپنا پیغام دینے کے لیے بلایا جاتا ہے۔ ہم کو اِس طرح کے تمام مواقع کو استعمال کرنا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے مشن کا ہر فرد ایک اچھا اسپیکر (speaker) ہو۔ میرا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ مشن کا ہر فرد خطیب (orator) بن جائے، تاہم مشن کے ہر آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ سادہ طور پر ایک اسپیکر بنے۔

ہمارا مشن ایک ربّانی مشن ہے اور 'خطابت' کا طریقہ اِس کے لیے مفید نہیں، ہم کو صرف اُن لوگوں کی ضرورت ہے جو سادہ اور واضح انداز میں اپنا پیغام پہنچا سکیں۔ اِس لیے ہم کو اِس مقصد کے لیے بولنے والوں کی ضرورت ہے، نہ کہ خطابت کرنے والوں کی۔

پروگرام ساز افراد

مجھ سے کئی بار یہ سوال کیا گیا ہے کہ آپ کے مشن کا پروگرام کیا ہے۔ میرے تجربے کے مطابق، ایک داعی کو اس طرح کے مختلف حالات سے گذرنا پڑتا ہے کہ اپنی دعوتی ذمے داریوں کو پورا کرنے کے لیے کوئی ایک پروگرام اس کے لیے کافی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے میں اِس طرح کے سوال کا جواب ہمیشہ یہی دیتا ہوں کہ — ہمارا کام پروگرام ساز افراد تیار کرنا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایسے انسان بنیں جن کے اندر دعوتی اسپرٹ پوری طرح بھری ہوئی ہو۔ یہ دعوتی اسپرٹ اِس بات کے لیے کافی ہوجائے گی کہ آپ مختلف حالات میں خود اپنا دعوتی

پروگرام بناسکیں۔ میں نے آپ کوایک داعی کا واقعہ بتایا تھا۔ وہ ایک ڈاکٹر کواسلام کی دعوت دینا چاہتے تھے۔ اُن کے اندر دعوتی اسپرٹ بھری ہوئی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مذکورہ ڈاکٹر سے مل کر کچھ دعوتی چیزیں کسی طرح وہ ڈاکٹر کو پڑھنے کے لیے دے سکیں۔

چناں چہ انھوں نے مذکورہ ڈاکٹر کے کلنک کا ایک کارڈ لیا۔ اور اِس طرح وہ مریضوں کی لائن میں کافی دیر تک اپنی باری آنے کے انتظار میں کھڑے رہے، یہاں تک کہ وہ ڈاکٹر کے پاس پہنچ گیے۔ ڈاکٹر نے اُن سے پوچھا کہ آپ کو کیا تکلیف ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں صرف آپ کو کچھ ریڈنگ مٹیریل دینے کے لیے آیا ہوں۔ یہی ایک سچے داعی کی صفت ہے۔ وہ کسی پیشگی پروگرام کا انتظار نہیں کرتا۔ وہ صورتِ حال کے مطابق، خود اپنا پروگرام بنالیتا ہے۔ اُس کو صرف اسی بات کی دھن ہوتی ہے کہ کس طرح خدا کا پیغام سارے انسانوں تک پہنچ جائے۔

اخوان رسول کا رول

میں نے کئی بار آپ کے سامنے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث بیان کی ہے جس میں آپ نے اپنے 'اخوان' کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا: **وددتُ أنّا قد رأينا إخواننا، قالوا: أولسنا إخوانك يا رسول الله، قال أنتم أصحابي وإخواننا الذين لم يأتوا بعد۔** (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 367) یعنی میری خواہش ہے کہ ہم اپنے اخوان کو دیکھیں۔ صحابہ نے کہا کہ اے خدا کے رسول، کیا ہم آپ کے اخوان نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم میرے اصحاب ہو، اور ہمارے اخوان وہ ہیں جو ابھی نہیں آئے۔

مذکورہ حدیث میں پیغمبر اسلام نے اپنے جن 'اخوان' کے متعلق بتایا ہے، اُن سے مراد وہ اہلِ ایمان ہیں جو معرفت کی سطح پر رسول کو پہچانیں گے اور بعد کے زمانے میں وہ دعوتی مقصد کے لیے اٹھیں گے، تاکہ سارے انسانوں کو خدا کا ابدی پیغام پہنچا دیں۔ اخوانِ رسول معروف معنوں میں کوئی ٹائٹل نہیں، بلکہ وہ ایک ذمے داری ہے۔

'اخوانِ رسول' کا لفظ ہزار سال سے پُراسرار بنا ہوا ہے۔ تاریخ کے کسی دور میں یہ واضح نہ ہوسکا

کہ یہ کون لوگ ہوں گے اور مستقبل میں ان کا رول کیا ہوگا۔ اسلامی تاریخ میں جس طرح، امکانی طور پر، یہ لفظ پہلی بار ایک گروپ پر منطبق ہورہا ہے اُسی طرح یہ بھی پہلی بار واضح ہورہا ہے کہ اخوانِ رسول کا رول کیا ہوگا۔

اِس حدیث سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مابعد سائنس دَور (post scientific era) میں دعوت الی اللہ کا پیغمبرانہ رول ادا کرنا ابھی باقی ہے، یعنی آج کی زبان میں خدائی سچائی کو اُس کی خالص اور بے آمیز صورت میں انسانوں کے سامنے پیش کرنا۔

سی پی ایس انٹرنیشنل اور الرسالہ مشن کی دعوتی ٹیم 'اخوانِ رسول' کے اِس ٹائٹل کے لیے امکانی امیدوار (potential canditates) گروپ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ میں سے ہر عورت اور مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اِس امکان کو واقعہ بنائے۔

اِس امکان کو واقعہ بنانا اِس طرح ممکن ہے کہ سب سے پہلے آپ خود اسلام کی معرفت حاصل کریں۔ اور اُس کے بعد قرآن کے صحیح انگریزی ترجمے کی اشاعت اور الرسالہ کی مطبوعہ کتابوں کو دوسرے انسانوں تک پہنچانے کا کام کریں۔ اور اِس طرح حقیقی معنوں میں دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دیں۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے اندر سارے انسانوں کی خیر خواہی کی اسپرٹ موجود ہو۔ آپ سارے انسانوں کے حقیقی خیر خواہ بن کر اٹھیں۔ آپ کے دل میں ہر ایک کے لیے محبت اور ہمدردی ہو۔ آپ کا ٹارگیٹ کیا ہو، اس کو ایک حدیث میں اِن الفاظ میں بتایا گیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **لا یبقیٰ علی وجه الأرض بیت مدر و لا وبر إلا أدخله الله کلمة الإسلام** (مسند احمد، مشکاۃ المصابیح، رقم الحدیث: 42) یعنی زمین کی سطح پر کوئی گھر اور کوئی خیمہ ایسا باقی نہیں رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ داخل نہ فرمادے۔

یہ کوئی پراسرار بات نہیں۔ یہ حدیث کی زبان میں امکاناتِ دعوت کا اظہار ہے۔ یہ اُس دور کی پیشین گوئی ہے جب کہ ذرائع ابلاغ کا ظاہرہ سامنے آئے گا اور اُس کو استعمال کرکے ہر انسان تک

کلمۂ اسلام کو پہنچانا ممکن ہوجائے گا۔ یہ کام صرف اِس طرح ممکن ہے کہ ہم دعوتی مشن کے ساتھ جینے اور مرنے کا عزم کرلیں۔ اور اِس کام کو اپنا اوّلین کنسرن (primary concern) بنا کر بقیہ تمام دوسری چیزوں کو اپنی زندگی میں ثانوی (secondary) حیثیت دے دیں۔

رائے کی قربانی

عمرۃ الحدیبیہ (623ء) کی ادائیگی کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ایک منتخب گروہ کو خطاب کیا۔ آپ نے فرمایا کہ:

''اے لوگو، اللہ نے مجھے سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پس تم میرے بارے میں اختلاف نہ کرو، جیسا کہ حواریوں نے عیسیٰ بن مریم سے اختلاف کیا۔ آپ کے اصحاب نے پوچھا کہ اے خدا کے رسول، حواریوں نے کس طرح اختلاف کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ عیسی بن مریم نے انھیں اُس چیز کی طرف بلایا جس کی طرف میں نے تمھیں بلایا ہے۔ پس جس کو انھوں نے (دعوتی مقصد کے لیے) قریب کے علاقے کی طرف بھیجا تو وہ اُس پر راضی ہوگیا اور اُس نے اُس کو مان لیا، اور جس کو انھوں نے دُور کے علاقے کے طرف بھیجا تو وہ اُس کو ناگوار معلوم ہوا اور اُس نے اُس پر گرانی محسوس کی۔ عیسیٰ بن مریم نے اللہ سے اِس کی شکایت کی۔ تو جن لوگوں کو ناگواری ہوئی، اُن کا حال یہ ہوا کہ اُن میں سے ہر ایک اُس قوم کی زبان بولنے لگا جس کی طرف اُس کو جانے کے لیے کہا گیا تھا۔'' (**سیرۃ النبی لابن ھشام**، جلد اوّل، صفحہ: 278)

اِس لیے میں آپ سے کہوں گا کہ دعوتی مشن کے لیے اتحاد بہت ضروری ہے۔ اتحاد کا مطلب ہے — اختلاف کے باوجود متحد رہنا۔ آپ کو یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ — اتحاد ہماری طاقت ہے اور اختلاف ہماری کمزوری:

United we stand, divided we fall.

آپ اِس حدیثِ رسول کو اپنے ذہن میں ہمیشہ تازہ رکھیں: مَنْ شذّ شُذَّ إلی النار (الترمذی، کتاب الفتن) یعنی جو شخص اجتماعیت سے الگ ہوا، وہ آگ میں جائے گا۔ یہ حدیث بہت اہم ہے۔ اِس حدیث میں اختلاف سے مراد نفسیاتِ اختلاف ہے، نہ کہ مجرّد گروہی اختلاف۔ یعنی اصل برائی عملاً کسی گروہ سے کٹنا نہیں ہے، بلکہ اختلاف برپا کرکے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ہے۔ اس لیے آپ کو یہ سمجھنا ہوگا کہ آپ کبھی بھی اختلافات کو عُذر (excuse) بنا کر دعوتی مشن سے الگ نہ ہوں۔ خدا اس معاملے میں آپ کے کسی بھی عذر کو قبول نہیں کرے گا۔

کوئی آدمی جب کوئی رائے قائم کرتا ہے تو وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اُسی کی رائے درست ہے۔ ایسا صرف اُس کی اپنی کنڈیشننگ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی لیے بجا طور پر کہا گیا ہے کہ — کسی آدمی کے لیے سب سے بڑی قربانی اپنی رائے کی قربانی ہے۔ اِس لیے آپ کو اپنی رائے کی قربانی دینی ہوگی۔ یہ بلاشبہہ سب سے بڑی قربانی ہے۔ یہی وہ قربانی ہے جس کی قیمت پر آپ متحد ہوکر اپنا دعوتی فریضہ ادا کرسکتے ہیں۔

نیا فیصلہ

دعوتی کام کے دوران آپ کو بار بار نیا فیصلہ لینا ہوگا۔ نیے نیے مسائل کا حل دریافت کرنا ہوگا۔ جب آپ کوئی فیصلہ لینا چاہیں تو آپ درج ذیل اصولوں کو سامنے رکھیں:

1- سب سے پہلا اور بنیادی اصول یہ ہے کہ آپ یہ دیکھیں کہ اسلام کے اصل ماخذ قرآن اور حدیث اور اُسوۂ صحابہ، میں اُس مسئلے کا حل کیا ہے۔

2- اگر آپ اصل ماخذ (قرآن اور حدیث) میں اپنے مسئلے کا حل نہ پاسکیں تو آپ باہمی مشورے سے اُس مسئلے کو حل کریں۔

3- اگر آپ باہمی مشورے سے کسی نتیجے تک نہ پہنچ سکیں تو یہ دیکھیں کہ اکثریت کا عمل (majority rule) کیا ہے۔

4- اگر اکثریت کی رائے سے بھی کوئی نتیجہ سامنے نہ آسکے تو آپ قرعہ اندازی (drawing of lots) کا طریقہ اپنائیں۔

مذکورہ طریقِ کار میں سے کسی بھی طریقِ کار کو اپنا کر آپ ضرور کسی فیصلے تک پہنچ جائیں گے۔ اگر آپ یہ جاننا چاہیں کہ کسی معاملے میں خود میری رائے کیا ہوگی تو آپ اُس کو میری لڑکی ڈاکٹر فریدہ خانم سے معلوم کرسکتے ہیں۔

انھوں نے قربانی کی حد تک اپنی پوری زندگی میری تربیت میں گذاری ہے۔ میرے نزدیک وہ میرے مزاج اور میری تحریروں سے سب سے زیادہ واقف ہیں۔ اِس لیے اگر آپ یہ جاننا چاہیں کہ کسی خاص معاملے میں میری رائے کیا ہوگی تو آپ اس کو فریدہ خانم سے معلوم کریں۔ انشاء اللہ اُن سے آپ کو صحیح رہنمائی مل جائے گی۔

میری دعا ہے کہ خدا آپ کی مدد کرے اور آپ اپنی دعوتی ذمے داریوں کو بھرپور طور پر ادا کرکے 'اخوانِ رسول' کا رول ادا کرسکیں۔ اور 'اسلام کا کلمہ' سطح زمین کے ہر گھر میں پہنچ جائے۔

کرنے کا کام

الرسالہ مشن اور سی پی ایس انٹرنیشنل کے تحت جو پُرامن دعوتی کا کام کرنا ہے، وہ بنیادی طور پر ایک درست انگریزی ترجمۂ قرآن کی اشاعت اور تقاریر کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ اور میری دوسری کتابوں کی توسیع واشاعت ہے۔

موجودہ زمانے کے مسلمانوں کا یہ ایک ناقابلِ معافی جرم ہے کہ وہ دنیا کو قرآن کا ایک درست انگریزی ترجمہ دینے میں ناکام رہے۔ خدا اُس وقت تک ہم پر اپنی رحمت کے دروازے نہیں کھولے گا جب تک ہم اِس کام کو اپنی اولین ترجیح کی حیثیت سے انجام نہ دے دیں۔ اِس لیے جلد از جلد ہم کو قرآن کا ایک درست انگریزی ترجمہ تیار کرنا ہے۔

قرآن کا یہ انگریزی ترجمہ تیار ہوکر انشاء اللہ گڈ ورڈ بکس (Goodword Books) سے شائع ہوگا۔ دوسرا سب سے زیادہ ضروری کام، تمام ممکن ذرائع کو استعمال کرکے اِس کو عالمی سطح پر تمام انسانوں کے درمیان پھیلانا ہے۔

قرآن کا یہ انگریزی ترجمہ خدائی پیغام کے متن (text) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور صرف قرآن

کے ایک درست ترجمے کی اشاعت اور اس کی توسیع کرکے ہم قیامت کے دن خدا کے سامنے یہ کہہ سکتے ہیں کہ — خدایا، میں نے تیری کتاب ہدایت کا صحیح ترجمہ تمام انسانوں تک پہنچا دیا:

O my lord, I have delivered the correct translation of Your book of guidance to mankind.

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اپنے اصحاب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ألا هل بلّغت ۔یعنی کیا میں نے خدا کا پیغام تم تک پہنچا دیا۔ صحابہ نے اِس کے جواب میں کہا: نشهد أنک قد بلّغتَ و أدّيتَ و نصحتَ ۔یعنی ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے خدا کا پیغام پوری خیر خواہی اور امانت کے ساتھ ہم تک پہنچا دیا۔

ہمارے اندر بھی یہی احساس ذمے داری ہونا چاہیے کہ ہم خدا کے پیغام کو ہر انسان تک پہنچا دیں اور کوئی چھوٹا اور بڑا گھر ایسا باقی نہ رہے جہاں اسلام کا کلمہ داخل نہ ہو جائے۔

جہاں تک میری کتابوں کا تعلق ہے تو سب سے پہلے یہ کام ان کتابوں کے انگریزی ترجمے کی اشاعت سے ہوگا۔ کیوں کہ آج دنیا کی آبادی کا ساٹھ فی صد حصہ انگریزی زبان بولتا اور سمجھتا ہے۔ اُس کے بعد حالات کے مطابق، یہ کام دوسری زبانوں تک وسیع ہوگا۔ اِس اشاعتی کام کے بنیادی طور پر چند اجزا ہیں:

1- قرآن کا صحیح انگریزی ترجمہ کم قیمت پر ساری دنیا میں پھیلانا (قرآن کا یہ انگریزی ترجمہ خدا کے فضل سے سی پی ایس انٹرنیشنل کے تحت زیر تیاری ہے)۔

2- 'تذکیر القرآن' کا ہندی ترجمہ چھپ کر تیار ہوگیا ہے۔ آپ میں سے ہر ایک کو اپنی ساری کوشش صرف کرکے زیادہ سے زیادہ انسانوں تک اس کو پہنچانا ہے۔

3- الرسالہ مشن کی مطبوعہ کتابوں کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا۔ مثلاً تذکیر القرآن، مطالعۂ سیرت، مطالعۂ حدیث، مذہب اور جدید چیلنج (God Arises)، اِن سرچ آف گاڈ (In Search of God) اسلام ری ڈسکورڈ (Islam Rediscovered)، آئڈیالوجی آف پیس (Ideology of Peace)،

کریشن پلان آف گاڈ(Creation Plan of God) ،وغیرہ۔ اِس کے علاوہ، آپ اپنے علاقوں میں لائبریری اوراسٹڈی فورم قائم کریں تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیےان کتابوں تک رسائی ممکن ہو سکے۔

4- چھوٹے چھوٹے دعوتی کتابچے (Dawah Booklets) تقریباً تیس کی تعداد میں چھپ چکے ہیں۔ان کوزیادہ سے زیادہ پھیلانا، یہاں تک کہ وہ تمام تعلیم یافتہ انسانوں تک پہنچ جائیں۔

5- 'ڈوائن لائٹ سیریز' پمفلٹ بھی چھپ کرتیار ہو چکے ہیں۔ یہ پمفلٹ امن اور روحانیت اوراسلام کی حقیقی تصویر پیش کرتے ہیں۔آدمی اِن مطبوعہ کتابچوں کوایک نشست میں پڑھ سکتا ہے۔ یہ پمفلٹ مدعو کے ساتھ دعوتی کام کرنے کے لیے معیاری پمفلٹ ہیں۔ اِن کے ذریعے آپ اسلامی تعلیمات اورتصورات(concepts) کونہایت آسانی کے ساتھ اپنے مدعوتک پہنچا سکتے ہیں۔آپ کو اِن دعوتی پمفلٹ کے ذریعے اپنے اِردگرد کے تمام لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچانے میں اپنی کوشش صرف کرنا ہے۔

6- الکٹرانک میڈیا کی اہمیت کوسمجھنا اوردعوتی مقصد کے لیےاس کوزیادہ سے زیادہ استعمال کرنا ہوگا۔میرے دعوتی لکچر مختلف چینل پر ٹیلی کاسٹ ہورہے ہیں۔مثلاً: 'گڈ لائف سیریز'— زی جاگرن پر، 'رازِ حیات سیریز'— اے آروائی پر، وغیرہ۔ خدا کے فضل سے ہم 'قرآن اوراحادیثِ رسول سیریز' کوبھی رکارڈ کررہے ہیں۔ اِسی طرح 'حیاۃ الصحابہ سیریز' اور اِس کے علاوہ 'حکمتِ ربّانی سیریز' بھی تیارکررہے ہیں۔

اب آپ کو یہ کرنا ہے کہ آپ اِن چیزوں کوزیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔آپ اپنے علاقوں میں اپنے طور پر بھی ان پروگراموں کوکسی ٹی وی چینل یا ریڈیو اسٹیشن کے ذریعے نشرکرسکتے ہیں۔

میرے دعوتی لکچر کے آڈیوکیسٹ بھی تیار ہو چکے ہیں۔ اِس وقت اُن کے درج ذیل چھ سیٹ دستیاب ہیں:

1- ارکان اسلام   2- درسِ حدیث

3- اسلامی تعلیمات　　　4- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقِ کار

5- تعارفِ اسلام　　　6- دعوتِ اسلام

مختلف موضوعات پر وی سی ڈی (VCDs) تیار ہو چکے ہیں۔ مثلاً: 'امن اور تشدد' (Peace and Non-violence) اور 'فطرت اور روحانیت' (Nture as a role Model)، وغیرہ۔

اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر ہم آڈیو کیسٹ، آڈیو سی ڈی، وی سی ڈی اور ڈی وی ڈی بھی تیار کر رہے ہیں۔ آپ اِن کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔ اپنے طور پر آپ ان چیزوں کو مقامی ٹی وی چینل پر نشر کر سکتے ہیں۔

خدا کے ابدی پیغام کو تمام انسانوں تک پہنچانے کے لیے ہم نے اپنے ویب سائٹ بھی درج ذیل عنوان سے تیار کر لیے ہیں:

www.alrisala.org
www.cps.org.in/cpsglobal.org

آپ زیادہ سے لوگوں کو اِن ویب سائٹس کے متعلق آگاہی دیں۔ مذکورہ وسائل ابلاغ کو استعمال کرتے ہوئے آپ کو متحد ہو کر خدا کا پیغام ہندستان میں اور پھر ساری دنیا کے انسانوں تک پہنچانا ہے۔

ہندستان میں دعوت الی اللہ

حدیثِ رسول میں ہم کو یہ پیشین گوئی ملتی ہے کہ بعد کے زمانے میں دعوت الی اللہ کا کام کرنے کے لیے ہندستان میں ایک مخصوص گروہ (**عصابة**) اٹھے گا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں — **عصابة تغزوا الهند** (**نسائی، کتاب الجهاد، باب غزوة الهند**) یعنی ایک گروہ ہے جو ہندستان میں غزوہ کرے گا، یہاں 'غزوہ' سے مراد دعوتی جدوجہد ہے۔

یہ مخصوص دعوتی گروہ انڈیا میں بھی دعوت الی اللہ کا کام اُسی طرح کرے گا جس طرح وہ عالمی سطح پر دعوت الی اللہ کے کام کو انجام دے گا اور لوگوں کو جنت کا راستہ دکھائے گا۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ حدیث میں جس دعوتی گروہ کی پیشین گوئی کی گئی ہے، وہ امکانی طور پر سی پی ایس انٹرنیشنل اور الرسالہ مشن کی دعوتی ٹیم ہے۔

خدا کی طرف سے اِس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ ہندستان میں دعوت الی اللہ کا کام اس طرح منظّم ہو کہ اُس کے ذریعے لوگ خدا کی ابدی رحمت کے سایے میں آسکیں۔ مذکورہ حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ہندستان میں اٹھنے والا یہ دعوتی گروہ عذاب جہنم سے محفوظ رہے گا (أحرزهما الله من النار)، جنت کے دروازے ان کے لیے کھول دیے جائیں گے اور یہ لوگ خدا کی ابدی جنت میں جگہ پائیں گے۔

اس لیے سی پی ایس کی ٹیم کو اس دعوتی کام میں پورے یقین کے ساتھ کامل طور پر شامل ہو جانا ہے۔ سی پی ایس کی ٹیم کے ہر عورت اور مرد کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو اس دعوتی گروہ کا ناقابلِ تقسیم حصہ بنائے۔ اگر آپ نے اپنی دعوتی ذمے داریوں کو پورا کیا تو خدا آپ کو ضرور اُس دعوتی گروہ میں شامل فرمائے گا جس کے لیے اس کی طرف سے پیشگی طور پر خوش خبری اور بشارت دے دی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واحد مشن توحید تھا، یعنی لوگوں کو شرک سے نکال کر ایک خدا کی عبادت کی طرف لانا۔ توحید کا یہ مشن دنیا کے بڑے حصے تک پہنچ چکا ہے۔ اِس معاملے میں صرف ہندستان کا استثنا ہے۔ یہاں شرک اب بھی زندہ شکل میں موجود ہے، کیوں کہ یہاں دعوت الی اللہ کا کام مطلوب انداز میں نہ کیا جا سکا۔ تاہم میرے اندازے کے مطابق، اب وہ وقت آچکا ہے کہ ہندستان میں دعوت الی اللہ کے لیے وہ گروہ اٹھے جس کی پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ یہی دعوتی گروہ وہ ''عصابة'' ہے جس کے لیے خدا کی طرف سے کامیابی کا فیصلہ مقدر ہو چکا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اُس گروہ میں شامل فرمائے۔

نوٹ: اگلے صفحے پر ایک فارم منسلک کیا جا رہا ہے۔ الرسالہ مشن کے ساتھیوں سے گذارش ہے کہ وہ مطلوبہ تفصیلات لکھ کر سی پی ایس کے پتے پر روانہ فرمائیں۔

رسپانس فارم

(براہِ کرم، مطلوبہ معلومات انگریزی یا اُردو میں ارسال فرمائیں)

نام: ____________ تاریخ پیدائش: ____________

پتہ مع پن کوڈ (انگریزی میں): ____________

____

____

خریداری یا ایجنسی نمبر: ____________

ٹیلی فون مع کوڈ نمبر (گھر): ____________ موبائل: ____________

آفس: ____________ فیکس: ____________

ای میل (اگر ای میل نہیں ہے تو براہِ کرم اپنا ای میل بنالیں): ____________

ملازمت یا موجودہ مصروفیت: ____________

____

الرسالہ مشن سے آپ کس طرح وابستہ ہوئے: ____________

____

____

الرسالہ مشن سے وابستگی کی مدت: ____________

الرسالہ کے دعوتی مشن میں آپ کس طرح جڑنا چاہیں گے: ____________

____

____

تبصرہ، یا تجویز: ____________

____

____

____

____

____

____

CPS International
Centre for Peace and Spirituality
1, Nizamuddin West Market, New Delhi - 110 013, Tel. 0091-11-2435 8729/4102 7332, Mob. 91-9810319241
Fax: 0091-11-2435 7333, email: info@cps.org.in, visit us at: www.cpsglobal.org, www.cps.org.in

1- پٹنہ بک فیئر کا شمار ہندستان کے بڑے بک فیئر میں ہوتا ہے۔ یہ بک فیئر پٹنہ کے مشہور گراؤنڈ گاندھی میدان میں لگتا ہے۔ اس بار پٹنہ میں یہ بک فیئر یکم نومبر 2006 تا 12 دسمبر 2006 تک تھا۔ اِس میں پہلی بار گڈ ورڈ بکس (Goodword Books) نے حصہ لیا۔ کافی تعداد میں لوگ گڈ ورڈ بکس کے اسٹال پر آئے۔ قرآن کے ہندی اور انگریزی ترجمے جو کافی تعداد میں تھے، وہ بک فیئر کے اختتام سے پہلے ہی ختم ہوگیے۔ صدر اسلامی مرکز کے ہندی ترجمۂ قرآن کو لوگوں نے بہت پسند کیا۔ پٹنہ ہائی کورٹ کے جج مسٹر دتہ، صدر اسلامی مرکز کے حوالے سے خاص طور پر اسٹال پر آئے۔ انھوں نے صدر اسلامی مرکز کی کتاب 'اسلام ری ڈسکورڈ' (Islam Rediscovered) کو اہتمام اور شوق کے ساتھ خریدا۔ پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا دونوں نے گڈ ورڈ بکس کے اسٹال کو نمایاں طور پر کور کیا۔ پٹنہ میں الرسالہ مشن اور سی پی ایس انٹرنیشنل سے متعلق احباب بطور خاص مسٹر ایم ٹی خان، مسٹر امام غزالی اور مسٹر اے ایم ایچ دانیال اہتمام کے ساتھ اسٹال پر موجود رہتے تھے۔ یہ لوگ اسلام سے متعلق معلومات حاصل کرنے والے لوگوں کو مثبت انداز میں اسلام کا تعارف پیش کرتے تھے اور صدر اسلامی مرکز کے دعوتی کتابچے (Dawah Booklets) اور سی پی ایس کے دعوتی بروشر (Dawah Brochure) اُن کے درمیان مفت تقسیم کرتے تھے۔ (محمد مصطفیٰ عمری)

2- ای ٹی وی (نئی دہلی) کی ٹیم نے 6 دسمبر 2006 کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق، بابری مسجد سانحے سے تھا جس کو اب چودہ سال ہو چکے ہیں۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ مسئلہ کچھ خود ساختہ لیڈروں کا مسئلہ ہے جو اس مسئلے پر عوام کو بھڑکاتے رہتے ہیں۔ اس سے کوئی مثبت فائدہ نکلنے والا نہیں۔

3- ماہ نامہ 'افکارِ ملّی' (نئی دہلی) کے نمائندہ مسٹر اسلم مقبول نے 9 دسمبر 2006 کو صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ انٹرویو کا موضوع تھا— مسلم تنظیمیں۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلم تنظیموں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مثبت طرزِ فکر کو اپنائیں۔ مثبت طرزِ فکر ہی تمام ترقیوں کا ذریعہ ہے۔

4- نئی دہلی کے اُردو روزنامہ راشٹریہ سہارا کے نمائندہ مسٹر اسجد نواز نے 13 دسمبر 2006 کو صدر اسلامی مرکز کا ایک تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر حکومت کے تجویز کردہ مرکزی مدرسہ بورڈ سے تھا۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ تجویز اپنی نوعیت کے اعتبار سے وہی ہے جو تمام مسلم ملکوں میں بالفعل قائم ہے۔ البتہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں ہمارے مدارس کے علماء صرف علماء سند ہیں، وہ حقیقی معنوں میں علماء دین نہیں۔ اس لیے اِس تجویز کا عملاً مفید ہونا بظاہر مشکوک نظر آتا ہے۔ کیوں کہ عملی طور پر اس بورڈ کو چلانے والے یہی علماء ہوں گے۔ تاہم حکومت کی اس تجویز نے ہمارے مدارس کو ایک بہت اچھا موقع فراہم کیا ہے۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے، مرکزی مدرسہ بورڈ کو قانونی حیثیت حاصل ہوگی۔ اس کا پورا بجٹ حکومتِ ہند دے گی، جب کہ اس کا نظام عملاً مسلم علماء کے ہاتھ میں ہوگا۔ ایسی ایک تجویز پر منفی روش کا اظہار کرنا صرف بے دانشی کی بات ہے۔ ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ 1857 میں علماء نے فتویٰ دیا

تھا کہ ہندستان دار الحرب ہو چکا ہے۔ اس کے بعد تقسیم ہند کی تحریک چلی۔ اس تاریخی پس منظر نے مسلمانوں میں ایسا ذہن پیدا کر دیا ہے کہ وہ ہندستانی حکومت کو غیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس مزاج کو ختم کرنا بے حد ضروری ہے۔ کیوں کہ اس مزاج کی بنا پر مسلمانوں میں منافقانہ کلچر تیزی سے فروغ پا رہا ہے۔ یعنی ایک سیاسی نظام کو غیر دینی نظام سمجھنا اور اسی کے ساتھ اس سے بھر پور فائدہ اٹھانا۔

5- دوردرشن (نئی دہلی) کی ٹیم نے 28 دسمبر 2006 کو صدر اسلامی مرکز کا ویڈیو انٹرویو رکارڈ کیا۔ اس کے انٹرویور مسٹر شمیم تھے۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ عید الاضحیٰ کا مطلب ہے— قربانی کی عید۔ قربانی سے مراد یہ ہے کہ آدمی سچائی کو قربانی کی حد تک اختیار کرے۔ وہ کسی بھی حال میں سچائی کے راستے سے نہ ہٹے۔

6- این ڈی ٹی وی (نئی دہلی) کی ٹیم نے 30 دسمبر 2006 کو صدر اسلامی مرکز کا ویڈیو انٹرویو کارڈ کیا۔ انٹرویور مسٹر اوماشنکر تھے۔ سوالات کا تعلق، صدر صدام حسین کی پھانسی سے تھا جو آج ہی عراق میں پیش آئی ہے۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ جو کچھ ہوا اُس کے خلاف احتجاج کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ صدام حسین نے تقریباً 30 سال تک عراق پر ڈکٹیٹرانہ حکومت کی، لیکن آخر میں انھوں نے عراقیوں کے نام اپنے ایک پیغام میں عراقیوں کو مثبت طرزِ فکر کا پیغام دیا۔ انگریزی رپورٹنگ میں ان کے یہ الفاظ نقل کیے گیے ہیں:

I call on you not to hate Americans,
because hate closes all doors of thinking.

یہ بلا شبہہ ایک صحیح پیغام ہے۔ اور نہ صرف عراقیوں کو بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو اِس پر عمل کرنا چاہیے۔

7- دینک ٹی وی (نئی دہلی) کے نمائندہ مسٹر احمد نے 25 جنوری 2007 کو صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو رکارڈ کیا۔ سوالات کا تعلق، سچر کمیٹی کی رپورٹ سے تھا۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ ترقی ذاتی محنت سے ملتی ہے، رعایت سے ترقی ممکن نہیں۔

8- مسٹر باوا جین (مقیم امریکا) اور مسٹر رمیش بھنڈاری (سابق گورنر، یوپی) کی قیادت میں ایک تنظیم 'ہندو۔ جوئش سمٹ' بنی ہے۔ اُس کے تحت 7 فروری 2007 کو ایک ڈائلاگ ہوا۔ یہ پروگرام نئی دہلی کے ہوٹل 'آبرائے کانٹی ننٹل' میں منعقد کیا گیا۔ اس میں اسرائیل اور دوسرے مقامات کے یہودی مذہب کے بڑے بڑے پیشوا شریک ہوئے تھے۔ اس کا موضوع یہ تھا کہ— اسرائیل اور فلسطین میں امن کس طرح قائم کیا جائے۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور قرآن اور حدیث کے حوالے سے مسئلے کا حل بتایا۔ اُن کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام امن کا مذہب ہے اور وہ ہر حال میں امن کو قائم کرنا چاہتا ہے۔

9- صدر اسلامی مرکز کے نام ایک خط مورخہ 22 دسمبر 2006 موصول ہوا، جو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

محترمی و مکرمی جناب مولانا وحید الدین خاں صاحب — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الرسالہ جنوری 2007 کا شمارہ بعض حقائق کے انکشاف کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ میں ہمیشہ اس احساس

سے رنجیدہ رہا ہوں کہ آپ ایک مظلوم ترین انسان ہیں۔ گزشتہ تقریباً چالیس سال سے آپ مسلمانوں کو جو مشورے دیتے آئے ہیں اور جن کے صلے میں آپ کو کیا کیا نہ ذہنی اذیتیں برداشت کرنی پڑی ہیں، آج ملک کے تمام مکاتب فکر کے علماء کسی اعتراف اور احساس ندامت کے بغیر ان پر عمل کررہے ہیں۔ مالے گاؤں ہی کی مثال لے لیجئے۔ ستمبر 2006 کو یہاں بم دھماکے ہوئے، 30 افراد ہلاک اور 300 افراد زخمی ہوئے۔ مسلمانوں کے اس صبر کی تمام طبقوں کی جانب سے خوب خوب تعریفیں ہوئیں اور ابھی بھی ہو رہی ہیں۔ پولیس افسران، سیاست دان، وزیر اعلیٰ اور وزیر داخلہ شیوراج پاٹل اور سونیا گاندھی نے بھی مسلمانوں کے اس صبر وضبط کی سراہنا کی۔ حالاں کہ یہ صبر مسلمانوں نے 'بعد از خرابیٔ بسیار' کیا ہے۔ 2001 کے فسادات میں مالے گاؤں کے اطراف وجوانب کے لگ بھگ 35 دیہاتوں کی مساجد گرادی گئی تھیں اور وہاں کے مسلمانوں کے گھروں کا بھی یہی حال ہوا تھا۔

اس سب کے باوجود کسی شخص میں یہ اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ وہ یہ اعتراف کرے کہ آپ طویل عرصے سے مسلمانوں کو یہی مشورہ دیتے آئے ہیں۔ آج جب مختلف طبقات کی جانب سے علما کی رہنمائی کی تعریفیں ہو رہی ہیں تو یہ حضرات بڑے آرام سے کسی احساس اور اعتراف کے بغیر اس کریڈٹ کو اپنے کھاتے میں ڈال رہے ہیں۔

تازہ الرسالہ میں دی گئی خط وکتابت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اور بھی کئی طریقوں سے آپ کی حق تلفی اور آپ کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے۔ دین کو عصری اسلوب میں آپ پیش کررہے ہیں تاہم کچھ لوگ ہیں جو بے بنیاد طور پر اس کا سہرا اپنی اپنی محبوب شخصیتوں کے سر باندھنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اِس سے غلط ذہن بنتا ہے۔ دار الدعوہ کا تصور بھی سب سے پہلے آپ نے پیش کیا، لیکن کوئی بھی اس کا اعتراف نہیں کررہا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ کچھ لوگ نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اس کا بھی کریڈٹ خود لے رہے ہیں۔ دیانت داری کا تقاضا اور ضمیر کی آواز وغیرہ ایسے لوگوں کے نزدیک سب سے معنیٰ ہیں۔ افسوس، صد افسوس، یہ اُن لوگوں کا حال ہے جو شب وروز اخلاقیات کا درس دیتے ہیں۔ (رمضان شکور، مالے گاؤں)

10- شہر بہرائچ (یوپی) میں برادرم رفیع احمد انصاری (بھٹے والے Tel. 941 544 2201) اور برادرم عبد اللہ انصاری کے مخلصانہ تعاون سے الرسالہ مشن کے دعوتی لٹریچر کی اشاعت اور توسیع کے لیے ایک اسٹڈی فورم قائم کیا گیا ہے۔ اس کے تحت، تعلیم یافتہ حضرات کی ایک ٹیم نے الرسالہ کی مطبوعات کا اجتماعی طور پر مطالعہ شروع کردیا ہے۔

11- لکھنؤ میں برادرم محمد سلمان نوری (ناظم مدرسہ سیدنا عمر فاروق، رستم نگر، چوک لکھنؤ Tel. 983 980 1027) کے تعاون سے دعوتی مقصد کے تحت، ایک دار المطالعہ قائم ہوگیا ہے۔ اِس سلسلے میں اسلامی مرکز (نئی دہلی) کی طرف سے دعوہ بک لٹس (Dawah Booklets)، اور الرسالہ کی تمام مطبوعات کا ایک مکمل سیٹ اُن کو روانہ کردیا گیا ہے۔

اسکیم برائے ادارہ ومساجد

مساجد اور مدارس اور اداروں کے لیے مولانا وحید الدین خاں کی دس کتابوں کا ایک منتخب سیٹ تیار کیا گیا ہے۔ خواہش مند حضرات آرڈر روانہ کرکے 40فی صد کی خصوصی رعایتی قیمت پر اس کو حاصل کرسکتے ہیں۔ ڈاک خرچ ادارے کے ذمہ ہوگا۔ نیز یہ آرڈر صرف .D.D یا .M. O کے ذریعے روانہ کیا جائے گا۔ جو حضرات کتابوں کا یہ منتخب سیٹ مساجد اور مدارس اور اداروں کو اپنی طرف سے ہدیہ کرنا چاہتے ہوں، وہ بھی اِس اسکیم میں حصہ لے سکتے ہیں۔ کالج اور یونیورسٹی کے طلبا اور اساتذہ بھی اس اسکیم سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں:

سیٹ برائے مساجد		سیٹ برائے ادارہ ومدارس	
1 تذکیر القرآن (اُردو)	2 اللہ اکبر	1 تذکیر القرآن (اُردو)	2 اللہ اکبر
3 مطالعۂ قرآن	4 قال اللہ وقال الرسول	3 مطالعۂ سیرت	4 الاسلام
5 قال اللہ وقال الرسول	6 مطالعۂ سیرت	5 فکر اسلامی	6 دین وشریعت
7 سیرتِ رسول	8 پیغمبر اسلام	7 تجدیدِ دین	8 مذہب اور جدید چیلنج
9 عظمتِ اسلام	10 انسان کی منزل	9 انسان کی منزل	10 رازِ حیات
رعایتی قیمت صرف: -/Rs. 500		رعایتی قیمت صرف: -/Rs. 500	

خصوصی اسکیم

طلبہ اور اساتذہ کے لیے ماہ نامہ الرسالہ کا سالانہ زرِ تعاون مبلغ 50 روپیے کردیا گیا ہے۔ یہ اسکیم صرف ایک سال کے لیے ہے۔ اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ آرڈر کے ساتھ اپنے شناختی کارڈ کی ایک فوٹو کاپی منسلک فرمائیں۔

ماہنامہ الرسالہ اور مولانا وحید الدین خاں کی عصری اسلوب میں فکر انگیز اسلامی کتابیں درج ذیل پتوں پر دستیاب ہیں:

SHERU MANSOORI LIBRARY
Masjid block
Islam Ganj 444 601
Amravati,
MS

ABDULLAH KIRANA SHOP
Iqbal Nagar
Parbhani-431401
MS

MR. M. ABDULLAH BURNMI
Positive Thinkers
No. 9/1 2nd cross, Model colony
Yeshwanthpur,
Bangalore- 560 022

MR ABDUL MAJEED
3-2-39 Burhane Shah Dargah
P.O. Bhainsa 504 103
Andhra Pradesh

MR. SALEEM AHMAED
563 Shardhanand Market
G.G. Road,
Delhi 110 006

MR. NIHAL BAIG
Reader's Corner
Kishanganj Bus Terminal
Kishanganj 855107
Bihar

MR. M AYYUB, M.A. B.ED
Anjuman Urdu Teachers
Training College, Indi- 586209
Disst. Bijapur
Karnataka

KITAB CENTRE
shamshad Market
Aligarh- 2002 002
U.P.

MR. ALI AKBAR
Akbari Kutub Khana
Bazar Qazi Mora, Nai Chungi
Poonch- 185 101,
J&K

SHAUKAT ALI BOOK STALL
21/A, Haji Mohd. Mohasin Square
Near Muslim Institute
Calcutta- 700 016
W.B.

DR. HAMIDULLAH NADVI
House No. 244-A
Housing Board Colony
Aish Bagh, Bhopal,
M.P.

MR. MOHAMMAD HANIF
Section Tailors
Sadar Bazar (L.D. Market)
Danapur Cantt.
Patna- 801 503
Bihar

SHAIKH KASIF
New Dluc Automobile
Opp. Maharaja Cinema
Rstampura
Singapuri Ward
Surat- 395 002
Gujrat

NAZEER BOOK DEPOT
690 Triplicane High Road
Madras- 600 005
Tamil Nadu

NOOR NABI
booksellers & N.P. Agent
Dalmandi, Varanasi
U.P.

ایجنسی الرسالہ

الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ الرسالہ (اردو) کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ الرسالہ (انگریزی) کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہنچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملّت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو، انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۳ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد والی ایجنسی کے لئے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ یا دو تین ماہ بعد اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینے میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زر تعاون الرسالہ

بیرونی ممالک کے لئے (ہوائی ڈاک)	ہندستان کے لئے	
$10/£5	Rs. 100	ایک سال
$20/£10	Rs. 200	دو سال
$30/£15	Rs. 300	تین سال
$45/£20	Rs. 480	پانچ سال